توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور

موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501

www.tanzeem.org

مرحوم و مغفور مؤسس انجمن خدام القرآن جناب ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تاحیات خواہش اور عمل کے عین مطابق، مرحوم کے قانونی جانشین تمام حضرات کو ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طبع شدہ تصنیفات/ تالیفات، آڈیوز، ویڈیوز کو طبع/ تیار کر کے، چاہے قیمتاً ہو یا مفت، تقسیم کرنے کی کھلی اجازت دیتے ہیں اور اس کے لئے کسی پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کسی قسم کی رائلٹی یا ''محفوظ حقوق'' کا تقاضا بھی نہیں ہے، البتہ تیار کردہ مواد (آڈیوز یا ویڈیوز) اور کتب کے چند نسخے ہمارے ریکارڈ کے لئے بھیج دیے جائیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ تاہم ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی مذموم کوشش مثلاً تبدیلی الفاظ، غلط اقتباس، سیاق وسباق سے الگ کر کے جملے کو حوالہ یا اس کا ایسا استعمال جس سے ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ہمارے موقف کی صحیح ترجمانی نہ ہو اور جس سے ہماری عزت و شہرت پر حرف آئے، تو ہم اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔

عنوانات

توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر 5
تمہیدی کلمات 5
توبہ کا معنی ومفہوم 8
توبہ کی شرائط 9
توبہ، قرآنی آیات کی روشنی میں 10
توبہ کا فلسفہ اور اس کی حقیقت 15
مذاہب عالم کی ایک بڑی غلطی 16
توبہ، احادیث کی روشنی میں 20
تخلیق کائنات کا فلسفہ 22
باب التوبہ کا بند ہونا 25
توبہ، مسرتِ الٰہی کا ذریعہ 27
تسلسل گناہ کے باوجود توبہ کی قبولیت 28
توبہ سے ناامیدی جرم ہے 30
توبہ کی تاثیر 31
اجتماعی گناہ اور اجتماعی توبہ 34
اجتماعی توبہ کا طریقہ کار 36
توبہ میں دعا کی اہمیت 40
موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام **42**
امت مسلمہ ذلت ومسکنت کا شکار ہے 42
اُمت مسلمہ کی ذلت ومسکنت کا سبب 43
پاکستان کی ذلت ومسکنت کا سبب: اللہ سے کی گئی وعدہ خلافت 44
اللہ سے کی گئی وعدہ خلافی کے اثرات ونتائج 46
قیام پاکستان: ایک معجزہ، ایک آزمائش 48
اسلام: دین یا مذہب؟ 50
وعدہ خلافی کی سزا: منافقت 52
پاکستان کا دستور، منافقت کا پلندہ ہے! 55
وعدہ خلافی کی ایک اور سزا: اندرونی خلفشار اور بیرونی یلغار 57
صہیونیت اور Neo-cons کا پانچ نکاتی ایجنڈا 60
اہل مغرب کو زیادہ خطرہ پاکستان سے ہے 62
پس چہ باید کرد؟ 63
کرنے کا اصل کام: توبہ 65
پاکستان کی دینی جماعتیں اور تنظیم اسلامی 69
کیا عجب، اللہ ہماری اجتماعی توبہ قبول کر لے! 71
خلاصۂ کلام 73

تقدیم

ہماری دینی تعلیمات میں توبہ کا موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ توبہ یعنی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک ایسا ''عُروۃ الوُثقٰی'' ہے جو ایک خطا کار مسلمان کو مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت سے وابستہ کر دیتا ہے۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیاتِ مستعار میں توبہ کے موضوع پر متعدد خطابات فرمائے، جن میں انفرادی اور اجتماعی توبہ کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جب بھی پاکستان اور اہلِ پاکستان کے حالات ومسائل اور مصائب ومشکلات کا جائزہ لیتے تو فرماتے کہ ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے۔ اور سچی توبہ یہ ہوگی کہ ہم اپنے سابقہ گناہوں اور کوتاہیوں پر ندامت کے ساتھ استغفار کریں اور ہم میں سے ہر فرد طے کرے کہ وہ اپنی ذات اور گھر بار سے ہر اُس چیز کو نکال پھینکے گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نہ ہوگی اور آئندہ پوری زندگی ہر معاملے میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے گا۔ مزید برآں ملکِ خداداد پاکستان میں اللہ کے دین کے قیام اور شریعت کے نفاذ کے لیے اجتماعی جدوجہد کرے گا تاکہ پاکستان ایک اسلامی، فلاحی، مثالی ریاست بن جائے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس کو اختیار کرنے سے رب کی روٹھی ہوئی رحمت پھر سے ہم پر سایہ فگن ہو سکتی ہے اور ہم اُس کی نصرت وحمایت کے مستحق بن سکتے ہیں۔

زیرِ نظر کتابچہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے دو خطابات پر مشتمل ہے، جن کے مابین چھ سال کا فصل ہے۔ پہلا خطاب بعنوان ''توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر'' آنجناب نے ۴/اپریل ۲۰۰۳ء کو مسجد جامع القرآن کراچی میں ارشاد فرمایا تھا، جبکہ دوسرا خطاب بعنوان ''توبہ کی اہمیت اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام'' ۲۵/ جنوری ۲۰۰۹ء کو بندھن شادی ہال، گڑھی شاہو لاہور میں ہوا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کی خواہش تھی کہ ان دونوں خطابات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ قرآن اکیڈمی لاہور کے شعبہ مطبوعات کے ادارتی معاون حافظ محمد زاہد نے دونوں خطابات کو ترتیب وتسوید کے بعد یکجا کر کے ایک جامع مضمون کی صورت دی ہے، جس پر نظرِ ثانی کی سعادت راقم الحروف کے حصے میں آئی ہے۔

خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات

توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ ۚ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۸﴾﴾ (التحریم)

﴿وَ تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۱﴾﴾

(النور)

﴿قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾﴾ (الزمر)

﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾﴾ (الفرقان)

تمہیدی کلمات

زیر گفتگو موضوع ’’توبہ کی عظمت وتاثیر اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام‘‘ قدرے طوالت طلب ہے‘ اس لیے کہ اس میں دو چیزیں جمع کردی گئی ہیں۔ موضوع کا پہلا حصہ ’’توبہ کی عظمت وتاثیر‘‘ اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ہمارے دین کے اساسی فکر کا بہت اہم موضوع ہے۔ میری گفتگو کا دوسرا حصہ ’’موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام‘‘ بذاتِ خود

ایک مکمل موضوع ہے‘ بایں معنی کہ پہلے دیکھا جائے کہ موجودہ حالات کیا ہیں‘ پھر آیا اس میں اگر کوئی خرابی ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی تشخیص کیا ہے اور پھر اس کا علاج کیا ہے! ظاہر ہے کہ عنوان کے ان دونوں حصوں کا حق مجھے کسی نہ کسی درجے میں ادا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

میری اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ میرے گزشتہ کئی خطابات کا لب لباب موجودہ عالمی حالات‘ اُمت مسلمہ کو درپیش خطرات اور ان کے ضمن میں احادیث نبویہ ﷺ میں موجود پیشین گوئیاں تھیں۔ ان حالات و واقعات کو میں برسہا برس سے بیان کر رہا ہوں۔ احادیثِ نبویہؐ میں ان کے متعلق کافی معلومات موجود ہیں‘ چنانچہ علمی اعتبار سے یہ ایک معلوم چیز تھی‘ لیکن اب موجودہ دور میں یہ تمام حالات اور پیشین گوئیاں چشم سر کے سامنے درخشاں حقیقت بن کر آ رہی ہیں۔ ان موضوعات پر تو گفتگو ہوتی رہی ہے‘ لیکن ہر مرتبہ گفتگو کا اختتام اس پر ہوا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس سے بچنے کا راستہ کون سا ہے؟ اور عموماً ان دونوں کا جواب ایک ہی لفظ سے دیا جاتا رہا ہے اور وہ ہے: ’’توبہ‘‘۔ پھر یہ کہ بنیادی طور پر توبہ کی دو قسمیں ہیں: انفرادی توبہ اور اجتماعی توبہ۔ انفرادی توبہ سے انسان اپنے گناہوں کی سزا سے بچ جاتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اُسے اپنے عفو ودرگزر‘ اپنی رحمت ومغفرت اور اپنے فضل کا مستحق قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ دنیا میں کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتی جب تک اجتماعی توبہ نہ ہو۔ اس اجتماعی توبہ کے ضمن میں مختصراً تو میں نے کچھ باتیں اپنے پچھلے خطابات میں عرض کی ہیں‘ لیکن اس کے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں ہوسکی۔ آج میں نے طے کیا ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر ’’توبہ‘‘ کے موضوع پر مفصل گفتگو کروں۔

اس وقت عالم اسلام کی صورت حال یہ ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کہہ چکا ہے کہ عنقریب عراق پر ہمارا قبضہ ہوگا اور یہ بات بھی اب واضح طور پر سامنے آ چکی ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے پیش نظر مشرق وسطیٰ کا پورا نقشہ بدل دینے کا پروگرام ہے۔ مشرق وسطیٰ کے یہ ممالک پچھلی صدی میں وجود میں آئے تھے۔ بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم

سے پہلے یہ پورے کا پورا علاقہ سلطنت عثمانیہ کے زیرنگیں تھا۔ پورا شمالی افریقہ' پورا مغربی ایشیا اور حجاز' یہ سب ایک سلطنت' ایک ملک اور ایک خلافت کے تحت تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اقوامِ مغرب نے اس کے حصے بخرے کیے' جیسے مالِ غنیمت کو فتح کے بعد بیٹھ کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عالم عرب کے اب ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور انہیں باہم تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ مصر اور عراق کو برطانیہ کے تحت' شام اور الجزائر کو فرانس کے تحت' لیبیا کو اٹلی' جبکہ باقی علاقے کو سپین کے تحت کر دیا گیا۔ تو مشرق وسطیٰ کے یہ پورے ممالک اُس وقت کی بندر بانٹ کے نتیجے میں وجود میں آئے تھے۔

اسی طرح اب کہا جا رہا ہے کہ موجودہ عراق جنگ کے بعد مشرق وسطیٰ کا نقشہ از سرنو تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی نہیں ہوگی بلکہ علاقے کی تبدیلی ہوگی۔ درحقیقت یہ عظیم تر اسرائیل کے قیام کا منصوبہ ہے جس پر عمل کا آغاز ہو گیا ہے۔ ورنہ اس عراق جنگ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی' اس لیے کہ صدام کا کوئی جرم ثابت ہی نہیں ہوا۔ خلیج کی پہلی جنگ میں تو اس کا جرم ثابت شدہ تھا کہ اس نے کویت پر حملہ کیا تھا' لیکن اِس وقت تو کوئی جرم سرے سے ہے ہی نہیں۔ امریکہ کے اپنے معائنہ انسپکٹر بتاتے رہے کہ ہم نے وہاں پر کچھ نہیں دیکھا' کچھ نہیں پایا۔ اس حوالے سے سوچیے کہ اس جنگ کا کیا جواز ہے؟ پوری دنیا میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ یہ بلا جواز حملہ ہے۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ کس قدر شدت' کتنی طاقت اور کتنی قوت سے حملہ کیا گیا ہے' کتنی فوجیں آئی ہیں' خلیج کے اندر کتنے جہاز کھڑے ہوئے ہیں جن پر سے ہوائی جہاز اڑتے ہیں۔ تو اصل میں ''کتاب الملاحم'' کے اندر حضور ﷺ کی جو پیشین گوئیاں موجود ہیں وہ اب ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

اسی طرح کا معاملہ اب پاکستان کا ہے۔ رفتہ رفتہ ہمارے گرد بھی گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ ہم پر ایک الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ شمالی کوریا کو ایٹمی صلاحیت پاکستان نے فراہم کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں کہ آپ نے اس کے بدلے میں ان سے میزائل ٹیکنالوجی لی ہے۔ دوسرا الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ ہم کشمیر میں دراندازی

(infiltration) اور دہشت گردی (terrorism) کو نہیں روک سکے۔ تیسرا الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ یہ جو انتہا پسند اور بنیاد پرست (fundamentalists) آپ کے ملک میں سر اُٹھا رہے ہیں ان سے ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ کی ایٹمی صلاحیت ان کے پاس نہ چلی جائے۔ اس طرح وہ القاعدہ اور دہشت گردوں تک پہنچ جائے گی۔ لہٰذا حالات بہت دگرگوں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا عکس ہمیں بھارت کے طرزِ عمل میں بھی نظر آ رہا ہے اور اس کا جیسا دھمکی آمیز (threatening) انداز اب ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ بھارت کا اب یہ موقف ہے کہ جو اصول امریکہ نے اختیار کیا ہے وہی ہمارا بھی ہے کہ جس ملک سے ہمیں مستقبل میں کوئی اندیشہ یا خطرہ ہو اُس پر پہلے سے حملہ کرنے کا ہمیں حق حاصل ہے' یہ ضروری نہیں کہ اس کا کوئی جرم بھی ثابت ہو' چونکہ مستقبل میں ہمیں پاکستان سے اندیشہ ہے اس لیے ہمیں پاکستان پر حملہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ بہرحال یہ چیزیں تو نوشتۂ دیوار کی حیثیت سے اب ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج توبہ کے موضوع پر کچھ عرض کروں اور اس کے ضمن میں بھی ایک خاص بات' جس کی طرف میرا ذہن حال ہی میں منتقل ہوا ہے' اضافی طور پر آپ کے سامنے رکھوں۔

توبہ کا معنی ومفہوم

سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ توبہ کسے کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ''آبَ یَئُوْبُ اَوْبًا'' اور ''تَابَ یَتُوْبُ تَوْبًا'' بڑے قریب کے الفاظ ہیں۔ ان کا معنی ہے: لوٹ آنا' پلٹ آنا۔ چنانچہ توبہ کے معنی ہوئے: پلٹ آنا --- دین کے اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا رخ اللہ سے ہٹا کر کسی اور طرف کر دیا تھا' اللہ کو اپنا مقصود و مطلوب اور محبوبِ حقیقی بنانے کے بجائے کسی اور کو اس مقام پر رکھ دیا تھا' اللہ کے دین کی پابندی کے بجائے اپنے نفس یا ماحول کی پابندی کو لازم کر لیا تھا تو وہ پلٹے' رجوع کرے' لوٹے' اپنا رُخ اللہ کی طرف کرے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا﴾ (الانعام:۷۹) ''میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے'' --- تو یہ معصیت سے اطاعت کی

طرف پلٹنا‘ گناہ سے نیکی کی طرف پلٹنا‘ دنیا اور اس کی لذتوں سے اللہ‘ اس کی مغفرت اور اس کی رحمت کی طرف پلٹنا‘ توبہ کہلاتا ہے۔

توبہ کی شرائط

یہ بھی سمجھ لیجیے کہ توبہ کی چند شرائط اور کچھ لوازم ہیں۔ اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو چاہے آدمی توبہ کی تسبیح پڑھتا رہے اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) حقیقی پچھتاوا ہو‘ پشیمانی ہو کہ میں یہ کیا کر بیٹھا ہوں‘ یہ مجھ سے کیا ہو گیا ہے۔ یہ توبہ کی شرطِ لازم ہے۔

(۲) عزم مصمم ہو کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا دل میں پختہ ارادہ باندھ لیا جائے۔

(۳) بالفعل اس بدی کو چھوڑ دیا جائے اور عمل صالح کی روش اختیار کی جائے۔

یہ تین شرائط تو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور اگر معاملہ حقوق العباد کا ہو تو ان تین شرائط کے علاوہ ایک اضافی شرط یہ ہے کہ اگر کسی انسان کا حق مارا ہے تو اس کی تلافی کی جائے۔ مثلاً آپ نے کسی کو دھوکہ دے کر اس کے پیسوں پر قبضہ کر لیا ہے یا اپنی بہن کو وراثت میں سے اس کا حق نہیں دیا اور آپ اسے ہضم کر گئے ہیں یا کسی پر تہمت لگائی ہے یا کسی پر ظلم کیا ہے تو ان صورتوں میں توبہ کی ایک اضافی شرط یہ ہے کہ اس کی تلافی کی جائے اور اگر تلافی ممکن نہ ہو تو اس سے معافی حاصل کی جائے۔ اور اگر وہ شخص جس کا آپ نے حق مارا ہے فوت ہو گیا ہو تو آپ پر لازم ہے کہ جو رقم آپ کے ذمہ ہے اسے آپ اس کی طرف سے صدقہ و خیرات کر دیں۔ اگر آپ یہ کام نہیں کرتے یا اس دنیا میں ان بندوں سے جن کی حق تلفی کی گئی ہے معافی حاصل نہیں کرتے‘ تو آخرت میں نیکیوں اور گناہوں کا لین دین ہو گا۔ یعنی ظلم اور زیادتی کرنے والے شخص کی نیکیاں اُس شخص کو دے دی جائیں گی جس کے حق پر اس دنیا میں دست درازی کی گئی تھی یا جس پر ظلم کیا گیا تھا۔ اگر زیادتی کرنے والے کی نیکیوں کا سرمایہ ختم ہو جائے گا تو پھر مظلوم کے گناہ ظالم کے وزنِ اعمال کے پلڑے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حقوق العباد خود سے معاف نہیں کرے گا۔ اپنے حقوق کے لیے اس کا

دامن بہت کشادہ ہے‘ اپنا حق معاف کرنے کے لیے وہ ہر وقت آمادہ ہے‘ لیکن بندوں کے حقوق کے معاملے میں اللہ اپنا اختیار استعمال نہیں کرے گا۔

ایک بڑی پیاری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے سوال کیا: ((اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟)) ”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کسے کہتے ہیں؟“ یہ حضور ﷺ کا ایک خاص انداز تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ نے سمجھانا ہوتا‘ کوئی اہم بات بتانی ہوتی تو پہلے سوال کرتے تاکہ ذہن بیدار ہو جائیں‘ اور بات سمجھ میں آجائے۔ صحابہؓ نے کہا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ ”ہم تو اُس کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس مال و متاع نہ ہو“۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلَاۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکَاۃٍ وَیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ‘ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ))(۱)
>
> ”قیامت کے دن میری اُمت کا مفلس وہ آدمی ہو گا کہ جو نماز‘ روزے‘ زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا‘ لیکن اُس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہو گی‘ کسی پر تہمت لگائی ہو گی‘ کسی کا مال کھایا ہو گا‘ کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا‘ تو ان سب کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے‘ پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

یہ اہمیت ہے حقوق العباد کی۔

توبہ‘ قرآنی آیات کی روشنی میں

توبہ کے بارے میں قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں اور توبہ ہماری دینی تعلیمات کا

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلۃ والآداب‘ باب تحریم الظلم۔ وسنن الترمذی‘ کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ‘ باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص۔

اہم ستون ہے۔میں نے ابتدا میں صرف چار آیات تلاوت کی ہیں۔

التحریم :۸:﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کی جناب میں توبہ کرو‘ خالص توبہ''۔یعنی خلوصِ دل سے توبہ کرنی ہے کہ آئندہ گناہوں سے ہر ممکن طور سے بچوں گا۔زبانی کلامی توبہ کی تسبیح نہیں کرنی کہ توبہ بھی کرتا رہے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی نہ کرے۔﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾ ''امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا''۔یہ توبہ کی تاثیر ہے۔اگر آپ کے اخلاق وکردار میں کوئی غلط شے شامل ہوگئی تھی تو توبہ کی بدولت اللہ تعالیٰ آپ کے کردار کے دامن کو دھو دے گا اور آپ کے نامہ اعمال میں اگر دھبے لگے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ ان دھبوں کو بھی صاف کر دے گا۔﴿وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۙ﴾ ''اور تمہیں داخل کر دے گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں''۔﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۚ﴾ ''وہ دن جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا (معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ) اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ ایمان لائے''۔﴿نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ﴾ ''ان کا نور ان کے سامنے اور داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا''۔یہاں یہ بات جان لیجیے کہ انسان کے ایمان کا محل ومقام اس کا قلب ہے اور ایمان حقیقت میں ایک روشنی اور نور ہے۔اس قلب میں جو نورِ ایمان ہے وہ میدانِ حشر میں ظاہر ہو جائے گا اور اس کی روشنی انسان کے سامنے پڑے گی۔اس طرح انسان کے نیک اعمال میں بھی ایک نورانیت ہے۔اس کا ظہور بھی میدانِ حشر میں ہوگا۔چونکہ تمام نیک اعمال دائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں‘ بالخصوص انفاقِ مال‘ اس لیے وہ اعمالِ صالحہ جو ہم نے اس دُنیا میں سرانجام دیے ہوں گے وہ نور کی شکل میں داہنے ہاتھ سے ظاہر ہوں گے۔﴿یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ ''(اُس وقت یہ اہل ایمان) کہتے ہوں گے اے اللہ! ہمارے نور کو کامل فرما دے۔''

اس کا پس منظر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میدانِ حشر میں یہ نور ہر شخص کو اُس کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے ملے گا۔ظاہر ہے ایمان کے بھی مدارج ومراتب

ہیں۔ایک ایمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اور ایک ایمان عام صحابی کا ہے‘ ان کے مابین زمین وآسمان کا فرق ہے۔اسی طرح کہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور کہاں ہم جیسے عام مسلمانوں کا ایمان۔چہ نسبت خاک را با عالم پاک! اسی ایمان کی نسبت سے اس نور کی تابناکی اور intensity ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز میدانِ حشر میں لوگوں کو جو نور ملے گا تو کچھ کا نور اتنا ہوگا کہ مدینے سے صنعا (یمن کے دارالحکومت) تک اس کی روشنی پہنچ رہی ہوگی جبکہ کچھ لوگوں کا نور بس اتنا ہوگا کہ صرف ان کے قدموں کے آگے روشنی ہو جائے۔جن کو اُس روز اتنا نور بھی مل جائے وہ بھی بڑے نصیب والے اور کامیاب وکامران لوگ شمار ہوں گے‘ کیونکہ وہ اس کٹھن اور سخت مرحلے سے گزر جائیں گے جس کے آگے ان کی منزلِ مراد یعنی جنت ہے۔کم نور والوں کے نور کی حیثیت ٹارچ کی روشنی کی سی ہوگی اور اُس دن اتنی روشنی کی بھی بڑی اہمیت ہوگی۔آپ جانتے ہیں کہ اگر آپ کو اندھیری شب میں جنگل سے گزرنا ہو تو آپ کے لیے ایک ٹارچ بھی کس قدر بڑی نعمت ہے کہ آدمی دیکھ لیتا ہے کہ سامنے کیا ہے۔کہیں سامنے کوئی سانپ‘ کوئی گڑھا یا کھائی تو نہیں؟ تو اس وقت جن کو وہ ٹارچ نصیب ہوگئی وہ بھی بہت خوش قسمت ہوں گے‘ لیکن اُن کی کیا شان ہے جن کا نور مدینے سے صنعا تک پہنچ رہا ہوگا---اب جن کے نور کی تابانی کم ہوگی وہ اللہ سے دعا کرتے ہوں گے:﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ کہ اے پروردگار! ہمارے نور کو بھی کامل کر دے جیسا تو نے اپنے ان بندوں پر کتنا فضل کیا ہے اور کتنا بڑا نور ان کو عطا کیا ہے۔یہ نور تب کامل ہوگا جب انسان توبہ کرے گا اور اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔چنانچہ اہل ایمان اتمامِ نور کی دعا کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعا کر رہے ہوں گے: ﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ ''اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کر دے''۔ظاہر بات ہے کہ گناہوں کی پردہ پوشی ہوگی تو پھر اس نور کی تابناکی میں اضافہ ہوگا۔﴿اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸﴾ ''یقیناً تو ہر شے پر قادر ہے۔''

النور:۳۱:﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱﴾
''اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سب مل جل کر توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

سورۃ النور کی آیت ۳۱ ایک طویل آیت ہے‘ جس کا یہ آخری ٹکڑا ہے۔ خطاب کے آغاز میں توبہ کے متعلق دو اصطلاحات بیان کی گئی تھیں‘ انفرادی توبہ اور اجتماعی توبہ۔ سورۃ التحریم کی متذکرہ بالا آیت کا تعلق انفرادی توبہ سے ہے جبکہ سورۃ النور کی اس آیت کا تعلق اجتماعی توبہ سے ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ سب مل کر گناہوں سے توبہ کر لو تو تمہارے حالات بدل جائیں گے اور تم دنیا و آخرت دونوں میں فلاح یاب ہو جاؤ گے۔

الزمر: ۵۳:﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ﴾

توبہ کے موضوع پر یہ قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے بعض لوگوں پر کچھ مایوسی طاری ہو جاتی ہے کہ ہم اتنے عرصے سے گناہ کرتے چلے آ رہے ہیں‘ ہمیں کیسے معافی ملے گی‘ کیسے ممکن ہے کہ ہمیں چھٹکارا مل جائے؟ ایسے لوگوں کے اطمینان کے لیے‘ ان کی دلجوئی اور ان کی تسلی کے لیے یہ عظیم ترین آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت مغفرت کے ضمن میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے“۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم گناہ کرتے ہو تو اس سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے‘ بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اپنے ساتھ زیادتی کرتے ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ تو غنی ہے‘ کسی کے گناہ سے اس کی سلطنت میں تو کوئی کمی نہیں آتی۔ ایک حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ اے میرے بندو! اگر تم تمام اولین و آخرین اور تمام جن و انس سب کے سب دنیا کے بدترین فاسق و فاجر انسان جیسے ہو جاؤ تب بھی میری سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر تم سب کے سب اولین و آخرین اور جن و انس متقی ترین انسان جیسے بن جاؤ تب بھی میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان گناہ کر کے صرف اپنا نقصان کرتا ہے‘ اس سے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ﴾ ”(اے

نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے“۔ ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ ”اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو“۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ﴾ ”بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخشنے کا اختیار رکھتا ہے“۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے‘ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو تمام کے تمام گناہ ایک پل میں معاف کر دے‘ اس لیے کسی کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۵۳﴾ ”بے شک وہ تو ہے ہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا“۔

الفرقان: ۷۰: سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں شرک‘ قتل ناحق اور زنا جیسے اکبر الکبائر گناہوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ”سوائے اُس کے جو تائب ہوا اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے“۔ یہاں ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی تجدید کرے۔ جب گناہ کا ارتکاب کیا تھا تو اس کا ایمان اس کے دل سے نکل گیا تھا یا زائل ہو گیا تھا یا کمزور ہو گیا تھا‘ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دل میں قوی ایمان موجود ہو اور پھر گناہ ہو جائے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ)) ”کوئی زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا (یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں ایمان موجود ہو اور زنا ہو جائے)“۔ ((وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ)) ”اور کوئی چور حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا“۔ ((وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ)) (۱) ”اور کوئی شخص جب شراب پیتا ہے تو حالت ایمان میں شراب نہیں پیتا“ ---- یعنی گناہ کرتے وقت انسان کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے اور جب وہ توبہ کرتا ہے تو ایمان واپس آ جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ”سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور اپنے ایمان کی تجدید کی اور پھر عمل صالح کی روش اختیار کی“۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ﴾ ”(تو یہ وہ لوگ ہیں کہ) اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا“۔ یعنی ان کے

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب المظالم‘ باب النھبی بغیر اذن صاحبہ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی......

نامۂ اعمال سے بدیوں کے دھبے صاف ہو جائیں گے اور وہاں نیکیوں کا اندراج ہو جائے گا۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۷۰﴾ ''اور اللہ تو ہے ہی بخشنے والا، رحم کرنے والا۔''

توبہ کا فلسفہ اور اس کی حقیقت

توبہ کے متعلق احادیث کے مطالعہ سے پہلے توبہ کا فلسفہ سمجھ لیجیے۔ دیکھئے ایک ہے طبعی (physical) اعمال اور ان کے طبعی اثرات کا معاملہ کہ دُنیا میں ان طبعی اعمال کا اصول یہ ہے کہ ان کے نتائج اور اثرات لازمی ہیں اور ان سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ مثلاً آپ نے خودکشی کا ارادہ کیا اور سنکھیا کھا لیا۔ اب چاہے آپ پر ندامت ہو، پشیمانی ہو، پریشانی ہو، توبہ کریں، لیکن اب بچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زہر نے تو اپنا کام دکھانا ہے۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی معجزانہ قدرت سے اس عمل کے طبعی نتیجے کو تبدیل کر دے یا فی الوقت اس کے نتیجے کو روک دے۔ اس کی مثال بھی موجود ہے، مثلاً آگ کی فطرت ہے جلانا، مگر اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے نہیں جلایا: ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۶۹﴾ (الانبیاء) ''ہم نے کہا: اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم پر''۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان طبعی اعمال کے نتائج کا تبدیل ہونا روز روز نہیں ہوتا، کیونکہ اگر ایسا روز روز ہو تو کوئی سائنس اور کوئی ٹیکنالوجی ممکن ہی نہ ہو۔ یہ تو طبیعیاتی اور کیمیائی قوانین کا دوام ہے جس کی وجہ سے یہ ساری سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کی منزلیں طے کر کے اب کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہے کہ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے!

توبہ کے بارے میں یہ اصول جان لیں کہ یہ طبعی اعمال میں مفید نہیں ہے۔ چاہے آپ یہ احساس کریں کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں یا آپ اپنے کیے پر شرمندہ ہوں یا پچھتائیں، تب بھی طبعی اعمال کے نتائج توبہ سے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ البتہ اخلاقی اعمال کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اخلاقی اعمال کے نتائج توبہ کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا قانون ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ کا مظہر ہے۔ اگر کسی گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، کوئی خطا سرزد ہوئی تو

لازم نہیں ہے کہ اس کا اثر ضرور ظاہر ہو، بلکہ اس سے بچاؤ کا ایک راستہ ہے اور وہ درحقیقت ''توبہ'' کا راستہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی گناہ سے انسان کی فطرت میں کوئی ایسی مستقل کجی واقع ہو جائے کہ جس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔ انسان سے بڑے سے بڑا گناہ بھی سرزد ہو جائے اور پھر وہ خلوص اور سچے دل کے ساتھ توبہ کر لے اور اس کے اصول، قواعد وضوابط اور اس کی شرائط کو پورا کرے تو وہ گناہ مٹ جائے گا۔ آج ہم اس موضوع پر ایسی چشم کشا احادیث نبویہ ﷺ کا مطالعہ کریں گے کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ عام طور پر خطاب و وعظ میں چونکہ لوگوں کو اصلاح کی ترغیب دلانی ہوتی ہے اس لیے انذار کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے اور اللہ کی صفت ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۴﴾ (آل عمران) ''اور اللہ زور آور اور سخت انتقام لینے والا ہے'' کا حوالہ دیا جاتا ہے تاکہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔ لیکن یہ دوسرا پہلو بھی اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے کہ طبعی اعمال کے نتائج و عواقب اور اخلاقی اعمال کے نتائج و عواقب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ طبعی اعمال کے نتائج تبدیل نہیں ہو سکتے جبکہ اخلاقی اعمال کے نتائج توبہ سے تبدیل اور ختم ہو سکتے ہیں۔

مذاہب عالم کی ایک بڑی غلطی

توبہ کے معاملے میں تاریخ مذاہب عالم میں ایک بہت بڑی غلطی ہوئی ہے اور دُنیا کے دوسرے مذاہب نے اپنے فلسفہ اخلاق میں توبہ کے بارے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں جس کے باعث ان کا نقطہ نظر کج ہو گیا ہے۔ اب دیکھئے اصل تورات میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے سرزد ہونے والی غلطی، ان کی توبہ اور پھر اس غلطی کے معاف ہونے کا تذکرہ موجود تھا، لیکن بعد میں جب تورات کو دوبارہ مرتب کیا گیا تو اس میں ان کی توبہ اور معافی کا ذکر شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ سے انہوں نے عجیب و غریب فلسفے بنا لیے---- آپ اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا اونچا مقام عطا کیا تھا کہ سارے فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کروایا اور اس کے بعد صرف ایک ہی حکم دیا کہ اس درخت کے قریب مت جانا! اُس وقت تو ابھی کوئی شریعت نہیں تھی اور نہ ہی کوئی لمبے چوڑے احکام تھے۔ بس صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ جہاں سے مرضی کھاؤ پیو، سارا باغ مباح ہے، بس اس ایک درخت کے قریب

مت جانا۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵﴾ (البقرۃ) ''اوراس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔ مگر حضرت آدم اور حضرت حوا وہی کام کر بیٹھے جس سے منع کیا گیا تھا۔ سوچیے، کتنی بڑی خطا ہوگئی! لیکن قرآن نے وضاحت کر دی کہ اس غلطی کے سرزد ہونے کے فوراً بعد حضرت آدم کے دل میں ندامت پیدا ہوگئی۔ دل میں پچھتاوا ہے اور دل توبہ کر چکا ہے، لیکن ان کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ کن الفاظ میں اللہ سے معافی مانگیں۔ تو وہ الفاظ بھی اللہ نے سکھائے: ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷﴾ (البقرۃ) ''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات، تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی تو ہے توبہ کا بہت قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا''

توبہ کی اصل حقیقت تو انسان کے اندر اپنی غلطی پر ندامت کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے عنفوانِ شباب میں اس شعر میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے، جسے داغ دہلوی نے بہت پسند کیا اور اس پر داد دی کہ میاں اس عمر میں یہ شعر!

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے!

انفعال کہتے ہیں پشیمانی اور شرمندگی کو۔ عام طور پر جب کسی انسان پر پشیمانی اور شرمندگی طاری ہوتی ہے تو پیشانی پر پسینہ سا آ جاتا ہے۔ اس بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اللہ کی نگاہ میں ان قطروں کی اتنی قیمت اور اتنی وقعت ہے، کہ میرے بندے نے پشیمانی اختیار کی ہے، اسے اپنے اس غلط کام پر رنج و افسوس ہو رہا ہے، کہ پروردگار نے پسینے کے ان قطروں کو موتیوں کی طرح چن لیا ہے۔ حضرت آدم سے جب خطا کا ارتکاب ہوا تو ان کے دل میں وہ پشیمانی پیدا ہوگئی، لیکن ان کے پاس وہ الفاظ نہیں تھے جن سے اپنی پشیمانی کا اظہار کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہوئی کہ اُس نے وہ کلمات خود سکھا دیے۔ قرآن نے ان ''کلمات'' کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے سبب حضرت آدم وحوا کو معافی ملی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳﴾

(الاعراف) ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اور اگر تو نے ہمیں بخش نہ دیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے''۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو سورۃ الزمر کی آیت ۵۳ میں بیان ہوئی ہے: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ یعنی گناہ کرنے والا خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہاں بھی حضرت آدم نے یہی دعا کی کہ اے ہمارے ربّ! ہم نے یہ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اصل تورات میں تو حضرت آدم وحوا کی توبہ اور ان کی معافی کا تذکرہ موجود تھا، لیکن موجودہ تورات، جو بعد میں مرتب ہوئی، اس میں حضرت آدم وحوا کی معافی والی بات شامل نہیں ہے۔ اصل حقیقت کو جاننے کے لیے ہم مختصراً تورات کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اصل تورات ۲۶ سو برس سے دنیا سے غائب ہے۔ تورات کا اصل نسخہ یروشلم میں موجود ہیکل سلیمانی (حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد) میں موجود تھا۔ ۵۸۷ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (Nebuchadnezzar) نے اس ہیکل سلیمانی کو گرا دیا تو وہ نسخہ اسی ملبے میں دفن ہو گیا۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ نسخہ مسجد اقصیٰ کے نیچے اب بھی موجود ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کو گرایا تھا تو جو نیچے تہہ خانے تھے وہ نہیں گرے تھے اور محفوظ رہ گئے تھے اور وہاں تورات کا اصل نسخہ اور تابوتِ سکینہ (جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، من وسلویٰ کے نمونے اور بہت سے تبرکات رکھے ہوئے ہیں) موجود ہے۔ انہی تہہ خانوں میں ہیکل کے ربائیوں کی لاشیں بھی موجود ہیں۔ جب ہم کھدائی کریں گے تو یہ تمام چیزیں دنیا کے سامنے آ جائیں گی۔ بہرحال اِس وقت مجھے یہ کہنا ہے کہ چونکہ اصل تورات اس وقت گم ہوگئی تھی اور ڈیڑھ سو سال کے بعد اسے یادداشتوں سے مرتب کیا گیا تو اس میں غلطیاں پیدا ہوگئیں اور ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا، اس کا ذکر اس موجودہ تورات میں نہیں ہے۔ اس سے عیسائیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا اور عقیدہ بنا لیا کہ وہ ابتدائی

گناہ(original sin) جو ہمارے جدامجد آدم سے سرزد ہوا تھا اس گناہ کا اثر نسل آدم میں پیدا ہونے والے ہر بچے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہے اور وہ اپنے جدامجد کے گناہ کی گٹھڑی لے کر اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ عیسائیوں کے اس عقیدے اور اسلام کی تعلیمات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسلام کے مطابق ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ معصوم ہے' بلکہ مسلم ہے۔ حضورﷺ کا فرمان ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ‘ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ)) (۱)

''ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے' یہ تو اُس کے والدین ہیں جو اس کو عیسائی یا یہودی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔''

جب عیسائیوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کیا کہ بنی نوع انسان کا ہر بچہ بنیادی طور پر گناہگار ہے اور وہ اپنے جدامجد کے گناہ کا بوجھ لے کر اس دنیا میں آ رہا ہے تو اب انہوں نے اس کے علاج کے طور پر ''کفارہ'' کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہ ہے ایک غلطی پر دوسری غلطی اور دوسری پر تیسری غلطی۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

عیسائیوں کے نزدیک عقیدۂ ''کفارہ'' کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ آدم کی اولاد کا ہر بچہ بنیادی اور پیدائشی طور پر گناہگار ہے تو اللہ نے اپنے اکلوتے صلبی بیٹے ''مسیح'' کو زمین پر بھیجا اور اسے آدم کے گناہ کے کفارہ کی غرض سے سولی پر چڑھا دیا (معاذ اللہ' نقل کفر کفر نہ باشد)۔ اسے گویا قربانی کا بکرا بنا دیا اور ان سب گناہگاروں کی طرف سے قبول کر لیا تاکہ جو عیسیٰ کو مانتے ہیں ان کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

یہ عقیدہ ہے عیسائیت کا۔ اس عقیدہ کی بنیاد اور جڑ یہی ہے کہ جب گناہ ہو گیا تو گناہ کا

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ وھل یعرض علی الصبی۔ وصحیح مسلم' کتاب القدر' باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ ......

اثر باقی رہے گا۔ جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ نہیں' تمہاری سیرت وکردار پر جو بھی داغ ہیں' دھل جائیں گے اور تمہارے نامہ اعمال میں جو دھبے ہیں' صاف ہو جائیں گے' بس خلوصِ دل سے توبہ کر لو: ﴿تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾۔

توبہ کے اس فلسفے کا ایک اور نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آپ سے کوئی خطا ہو گئی' گناہ ہو گیا اور آپ کو یہ بتایا جائے کہ اب بچاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے' اس کی سزا تو مل کر رہے گی' تو ظاہر ہے کہ پھر آپ کے اندر اصلاح کا کوئی جذبہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اصلاح کے لیے ایک قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے اور بچاؤ کا ہر دروازہ بند کرنے سے قوت ارادی کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اسلام نے اس اصلاح کے جذبے اور قوت ارادی کو زندہ رکھنے کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے تاکہ لوگوں کے لیے ایک امید باقی رہے کہ میں ''point of no return'' پر نہیں کھڑا ہوں کہ جہاں سے میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہ ہو۔ ابھی میرے لیے واپس جانے کا امکان ہے۔ تو اس سے انسان کے اندر اصلاح کا مادہ پیدا ہوگا' ہمت پیدا ہوگی' ارادہ پیدا ہوگا اور وہ اپنے آپ کو درست کر لے گا۔

توبہ' احادیث کی روشنی میں

توبہ کا فلسفہ سمجھ لینے کے بعد اب توبہ کی اہمیت اور اس کی تاثیر کے بارے میں مختلف احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایسی چشم کشا اور اُمید افزا احادیث ہیں کہ ان کو سننے کے بعد کوئی انسان بھی رحمتِ الٰہی سے ناامید نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے آج ہماری گفتگو میں تبشیر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوگا۔ ان میں سے بعض احادیث بہت مرتبہ میری گفتگو میں آ چکی ہیں' لہٰذا اِس وقت اُن کو مختصراً آپ کے سامنے رکھوں گا۔

حدیث ۱: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ)) (۱)

(۱) سنن ابن ماجہ' کتاب الزھد' باب ذکر التوبۃ۔ وسنن الترمذی' کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع۔

”تمام بنی آدم بہت خطا کار ہیں، لیکن ان خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو بار بار توبہ کرنے والے ہیں۔“

یعنی غلطی ہوگئی تو توبہ کرلیں۔ توبہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ پھر کبھی وہ غلطی نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت آپ یہ عہد کرلیں کہ یہ کام میں نے نہیں کرنا اور ایک دفعہ وہ کام چھوڑ دیں تو توبہ ہوگئی۔ اگر کچھ عرصے کے بعد آپ پھر جذبات کی رو میں بہہ گئے یا آپ پر برے اثرات پڑے اور آپ سے وہ غلطی دوبارہ سرزد ہوگئی، تو کوئی بات نہیں، آپ پھر توبہ کرلیں۔ اس لیے آپ ؐ نے فرمایا: ”اَلتَّوَّابُوْنَ“ یعنی بار بار توبہ کرنے والے۔

حدیث ۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ))(۱)

”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔“

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بچے تختی لکھنے کے بعد اسے دھوتے ہیں تو وہ اس طرح صاف ہوجاتی ہے جیسے کبھی اس پر کچھ لکھا ہی نہ گیا ہو۔ یہی حال توبہ کرنے والا کا ہے کہ جب انسان توبہ کرلیتا ہے تو وہ ایسے پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے اس نے پہلے وہ گناہ کبھی کیا ہی نہ ہو۔ یہ حدیث قرآن کے ان الفاظ کی بعینہٖ تشریح ہے: ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾ اور یہ عیسائیت کے عقیدۂ کفارہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت آدم کے گناہ کا اثر ہر پیدا ہونے والا بچہ لے کر آتا ہے، حالانکہ حضرت آدم نے غلطی ہوجانے کے بعد اللہ کی طرف سے القا کیے گئے کلمات سے توبہ کرلی تھی اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم توبہ کے بعد ایسے پاک صاف ہوگئے جیسے انہوں نے وہ گناہ کیا ہی نہ ہو۔ اب جب گناہ ہی نہیں رہا تو پھر اس کا اثر ہر پیدا ہونے والے بچہ پر کیسے آسکتا ہے؟

حدیث ۳: اس حدیث کو پڑھ کر میں بھی چونک اٹھا تھا۔ ان احادیث کو بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں مایوسی کا غلبہ نہ ہو۔ یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ مایوسی ابلیسیت کا عکس ہے۔ مبلس اسے کہتے ہیں جو مایوس ہوگیا ہو اور ابلیس، سب سے بڑھ کر

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ۔

مایوس ہے، اس کو معلوم ہے کہ میرا چھٹکارا نہیں ہے، لہٰذا میں جتنے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا کر جہنم میں جھونک دوں، یہی میری کمائی ہے---- چنانچہ ”ابلیس“ کہتے ہی اسے ہیں جو انتہائی مایوس ہو، جو رحمت خداوندی سے قطعاً مایوس ہوچکا ہو۔ اپنے دل و دماغ سے مایوسی کے سائے دُور کرنے کے لیے اس حدیث کا مطالعہ کیجیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ اللّٰہُ بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ فَیَغْفِرُلَھُمْ))(۱)

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جاتا اور ایسے لوگوں کو لے آتا جو گناہ کرتے، پھر وہ اللہ سے استغفار کرتے (اور توبہ کرتے) تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردیتا۔“

یہاں ایک اور بات نوٹ کر لیجیے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا امر واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن زورِ بیان کے لیے، ایک بات کو emphasise کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ق فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ (الزخرف)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دو اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتو میں سب سے پہلے اس کو پوجوں گا۔“

یعنی جب میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں تو اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو کیا میں اس کی پرستش نہ کرتا؟ یہ انداز اختیار کر کے نفی پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ اسی طرح اس حدیث کا اسلوبِ بیان بھی یہی ہے کہ اگر انسان گناہ نہ کرتے اور گناہ کے بعد توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا ظہور نہ ہوتا تو اللہ اور لوگوں کو لے آتا۔

تخلیق کائنات کا فلسفہ

”اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کیوں پیدا کی؟“ یہ عجیب فلسفے کی بات ہے اور میرے علم کی حد تک قرآن مجید میں اس کو براہِ راست زیر بحث نہیں لایا گیا۔ ہوسکتا ہے کہیں بہت خفی

(۱) صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار توبۃ۔

انداز میں اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہو اور یہ ابھی تک میری نگاہ سے مخفی ہو۔ قرآن مجید کے بعض غامض نکات ایسے ہو سکتے ہیں کہ جن تک میری ابھی رسائی نہ ہوئی ہو۔ ایک دفعہ میرے بارے میں ایک عالم دین نے یہ کہہ دیا تھا کہ اسے قرآن پر بڑا عبور حاصل ہے' تو میں نے انہیں پیغام پہنچایا کہ آپ نے میرے بارے میں یہ دعویٰ کر کے قرآن کی توہین کی ہے' کیونکہ قرآن پر کسی انسان کو عبور نہیں ہو سکتا۔ عبور کا مفہوم یہ ہے کہ دریا کے دو کنارے ہیں اور آپ اِس کنارے سے اُس کنارے تک چلے گئے تو آپ نے دریا عبور کر لیا جبکہ قرآن تو ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے' اس پر عبور کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ قرآن کے کتنے ہی ایسے غامض مقامات ہیں جہاں امام رازی بھی دہشت زدہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحدید کی آیت ۳ کے الفاظ: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ پر امام رازی نے فرمایا: **اعلم ان ھذا المقام مقام غامض عمیق مھیب** ''جان لو کہ یہ بڑا عمیق' بڑا گہرا اور بہت پرہیبت مقام ہے''۔ اس کی تہہ تک پہنچنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہے ؏

''ہشدار کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را!''

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ نے یہ کائنات کیوں پیدا کی' اس سوال کا جواب براہِ راست قرآن میں موجود نہیں ہے۔ البتہ علامہ آلوسی اور بعض دیگر مفسرین نے ایک حدیث قدسی نقل کی ہے' جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے: **كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا** ''میں ایک چھپے ہوئے خزانے کی مانند تھا''۔ میرے اندر طاقت تھی' قوت تھی' خلاقی تھی' میری شانِ غفاری میرے اندر ہی اندر تھی۔ **فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ** ''تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے''۔ **فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ**(۱) ''(تو اس کے لیے) میں نے خلق کی تخلیق کی''۔ کسی مخفی خزانے کی قدر و قیمت کا اندازہ تو اُسی وقت لگایا جا سکتا ہے جب وہ ظاہر ہو اور لوگ اس سے

---

(۱) اس مفہوم کی احادیث الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ علامہ بدرالدین زرکشی نے **اللآلی المنثورۃ** میں' علامہ سخاوی نے **المقاصد الحسنۃ** میں اور علامہ زرقانی نے مختصر المقاصد میں نقل کی ہیں علامہ البانی نے اسے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (ح۶۰۲۳) میں نقل کر کے لکھا ہے:
لا اصل له اتفاقا۔

استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح کسی کی قوت و طاقت کا اندازہ تب ہی لگایا جا سکتا ہے جب اسے استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس کی پوشیدہ صفات کا ظہور ہو تو اس نے اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ''خلق'' کی تخلیق کی۔ اس نے کائنات کو پیدا کر کے فرمایا کہ یہ میری تصویر ہے' مجھے اس کے ذریعے پہچانو۔ جیسے کوئی مصور اپنی تصویروں کی نمائش کرتا ہے کہ آؤ میرے فن پارے اور میرے شاہکار دیکھو' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اس کائنات کو پیدا کر کے اپنی صفتِ تخلیق کا مظاہرہ کیا ہے اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اسے اس کی صفات کے ذریعے پہچانا جائے۔

قرآن حکیم میں جا بجا اس کائنات میں غور و فکر کرنے کا حکم ملتا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّـآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ (البقرۃ)

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں' اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں' اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں (یا دریاؤں میں) لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں' اور اُس پانی میں کہ جو اللہ نے آسمان سے اُتارا ہے پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد' اور ہر قسم کے حیوانات (اور چرند پرند) اس کے اندر پھیلا دیے اور ہواؤں کی گردش میں' اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان' یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

اور پھر اسی مقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا جس میں یہ faculty of appreciation یعنی اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال و کمال کو پہچاننے کی صلاحیت ہے' ورنہ ظاہر بات ہے کہ جمادات اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانیں گے؟ اللہ کو پہچاننے کی صلاحیتیں صرف انسان میں ہیں۔ تو یہ

ایک با قاعدہ فلسفہ ہے۔ اسی کے ضمن میں یہ بات سمجھ لیجیے کہ اگر گناہ نہ ہوتا' توبہ نہ ہوتی اور پھر اللہ کی طرف سے معافی کا اعلان نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا ظہور کیسے ہوتا؟ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تمہیں ختم کر کے کوئی ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے' پھر وہ توبہ کرتے اور پھر اللہ انہیں بخش دیتا۔

حدیث ٤: اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ لائے ہیں اور اس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ))(۱)

''یقیناً اللہ اپنے اس مؤمن بندہ کو پسند کرتا ہے جو فتنوں میں سخت مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر بہت توبہ کرتا ہے۔''

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کن سے محبت کرتا ہے؟ اس کا جواب قرآن میں ان الفاظ میں ملتا ہے: ﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ (آل عمران) ''اللہ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾﴾ (الصف) ''اللہ محبت کرتا ہے اپنے اُن بندوں سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔ یہاں ایک تیسری چیز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اپنے اس مؤمن بندے سے جو فتنوں میں بہت زیادہ مبتلا ہو جاتا ہو اور پھر بہت توبہ کرتا ہو۔ یعنی وہ گناہ کرتا ہے' لیکن ساتھ ہی پلٹتا ہے' رجوع کرتا ہے' پھر اللہ کے حضور میں حاضر ہو کر معافی مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا بندہ بہت پسند ہے۔

بابُ التوبہ کا بند ہونا

اب کچھ اور احادیث ملاحظہ کیجیے' جن میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ توبہ کا دروازہ ایک وقت آنے پر بند ہو جائے گا۔ خطاب کے ابتدا میں میں نے توبہ سے متعلق دو اصطلاحات بیان کی تھیں: اجتماعی توبہ اور انفرادی توبہ۔ اجتماعی سطح پر توبہ کا دروازہ تب تک بند نہیں ہوگا

(۱) مسند احمد' کتاب مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ' باب ومن مسند علی بن ابی طالب' ح ۵۷۱۔

جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔ یہ قربِ قیامت کی آخری نشانیوں میں سے ایک ہے۔

حدیث ٥: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ)) (۱)

''جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔''

البتہ جب قیامت کی یہ نشانی ظاہر ہو جائے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو رہا ہو تو اب اجتماعی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد اگر کوئی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا۔

یہ تو اجتماعی سطح پر توبہ کے عدم قبولیت کی بات ہوئی' جبکہ انفرادی سطح پر توبہ کی قبولیت کا امکان تب تک رہے گا جب تک حالت نزع نہ واقع ہو جائے۔ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے مظاہر ہیں جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں' آخری وقت آنے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے' لیکن جب وہ وقت آ گیا تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

حدیث ٦: ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ))(۲)

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا رہے گا جب تک کہ حلق کے اندر گھنگرو نہ بولے۔''

یعنی عالم نزع واقع ہو جائے۔ جب کسی کی موت کے آثار اتنے واضح ہو گئے ہوں کہ اب

(۱) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم' باب فی فضل التوبۃ والاستغفار وما ذکر من رحمۃ اللّٰہ۔

زندگی کا کوئی امکان باقی نہ رہے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

توبہ‘ مسرتِ الٰہی کا ذریعہ

ایک حدیث میں توبہ کرنے والے شخص کے لیے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے‘ جس کا ترجمہ تو میں بہت دفعہ بیان کر چکا ہوں‘ لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ اس کو پورے متن کے ساتھ آپ کے سامنے رکھوں۔

حدیث 7: یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے) سے مروی متفق علیہ روایت ہے‘ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ موجود ہے۔ مسلم شریف[1] کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَۃِ عَبْدِہٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْہِ)) ’’جان لو اللہ تعالیٰ کو زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنے کسی گناہگار بندے کی توبہ سے جب وہ اس کے حضور توبہ کرتا ہے‘‘ ((مِنْ اَحَدِکُمْ)) ’’تم میں سے ایک ایسے شخص سے بڑھ کر (خوشی ہوتی ہے)‘‘ ((کَانَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ بِاَرْضِ فَلَاۃٍ)) ’’جو بہت ہی دور دراز کے (سنسان) علاقے میں سفر کر رہا تھا‘‘۔ ((فَانْفَلَتَتْ مِنْہُ)) ’’تو اس سے اس کی سواری گم ہوگئی‘‘۔ ((وَعَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ)) ’’اسی پر اس کا کھانا بھی تھا اور پانی بھی‘‘۔ یعنی وہ اپنی اونٹنی پر سفر کر رہا تھا‘ اسی پر اس کا سامانِ سفر تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے کہیں ستانے کے لیے بیٹھا‘ اسے اونگھ آ گئی اور جب آنکھ کھلی تو اونٹنی غائب تھی۔ ((فَأَیِسَ مِنْھَا)) ’’وہ تلاش کر کے مایوس ہوگیا‘‘۔ یعنی کہیں اونٹنی کا سراغ نہیں ملا۔ اب ظاہر بات ہے کہ اسے اپنی یقینی موت آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہے۔ ((فَاَتٰی شَجَرَۃً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّھَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَاحِلَتِہٖ)) ’’تو وہ ایک درخت کے سائے میں اپنی سواری سے مایوس ہو کر لیٹ گیا‘‘۔ گویا وہ موت کے انتظار میں لیٹ گیا کہ اب تو موت آنی ہی آنی ہے۔ ((فَبَیْنَا ھُوَ کَذٰلِكَ اِذَا ھُوَ بِھَا قَائِمَۃً عِنْدَہٗ)) ’’(اس کی کہیں دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی) تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی تو اس کے پاس کھڑی ہے‘‘۔ ((فَاَخَذَ بِخِطَامِھَا)) ’’تو اس نے فوراً اس کی رسی پکڑ لی‘‘

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب التوبۃ‘ باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا۔

((ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ)) ’’پھر خوشی کی شدت سے وہ پکار اٹھا‘‘۔ اب اسے جو مسرت اور خوشی حاصل ہوئی اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ ایک ویران صحرا میں سواری اور سامانِ سفر کے گم ہو جانے سے موت کا معاملہ یقینی نظر آ رہا تھا تو اچانک اللہ تعالیٰ نے وہ کھوئی ہوئی اونٹنی واپس دلا دی۔ اس موقع پر وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں‘ لیکن فرطِ مسرت میں اور شادیٔ مرگ یعنی خوشی کی وجہ سے موت طاری ہو جانے کی کیفیت میں اس کی زبان ایسی لڑکھڑائی کہ اس کی زبان سے نکلا: ((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ)) ’’اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا ربّ ہوں!‘‘ ((اَخْطَأَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ)) یعنی ’’خوشی کی شدت سے وہ غلطی کر بیٹھا‘‘--- یہ فرطِ مسرت اور خوشی کی انتہا ہے جس میں انسان اتنی بڑی خطا کر بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی گناہگار بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

یہ تمثیل اس لیے بیان کی گئی کہ بعض حقائق اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ ان کو بتمام وکمال بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لیے مثالوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہگار بندے کی توبہ پر کتنی خوشی ہوتی ہے‘ اسے آپ کیا سمجھیں گے! لہٰذا یہ مثال دے کر آپ کو سمجھایا گیا کہ ایک لق ودق صحرا میں انسان سفر کر رہا ہے‘ اس کے پاس ایک ہی اونٹنی ہے‘ اسی پر اس کا کھانے پینے کا سامان ہے‘ وہ کہیں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا ہے اور اونٹنی غائب ہوگئی۔ اس نے اونٹنی کو تلاش کرنے کے لیے ہر طرف دیکھ لیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا تو اب موت کے انتظار میں ایک درخت کے سائے میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ اب جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی موجود ہے تو وہ شدتِ فرح میں یہ کہہ بیٹھتا ہے: ((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ)) ---اس شخص کی خوشی کا تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں‘ لیکن جب ایک گناہگار بندہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہے تو اللہ کو اس پر کتنی خوشی ہوتی ہے‘ اس کا آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے‘ چنانچہ یہ مثال ہمیں سمجھانے کے لیے دی گئی ہے۔

تسلسلِ گناہ کے باوجود توبہ کی قبولیت

اب میں ایک اور حدیث بیان کرتا ہوں‘ لیکن اس سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے

جوانسان پیدا کیے ہیں ان کے مزاج مختلف ہیں۔ان میں کچھ لوگ قوی ارادے کے مالک ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ جب فیصلہ کرلیا تو اس پر ڈٹ گئے' لیکن کچھ لوگوں میں قوت ارادی اتنی مضبوط نہیں ہوتی' وہ اِدھر اُدھر سوچتے رہتے ہیں۔ایسے لوگوں سے خطاؤں کا ظہور ہوجاتا ہے تو وہ توبہ کرلیتے ہیں۔پھر کچھ عرصے کے بعد ان سے خطا کا ظہور ہوجاتا ہے تو وہ پھر توبہ کرلیتے ہیں' یعنی وہ توبہ کے بعد ہر دفعہ گناہ کر بیٹھتے ہیں۔اب ہم اگر ان کے اس عمل یعنی بار بار خطا کر کے توبہ کرنے کو کسی دنیاوی عمل پر قیاس کریں تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ ان کے اس طرح بار بار توبہ کرنے سے ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' جیسے مالک ملازم کی غلطی کو ایک دو بار تو معاف کرتا ہے' لیکن اگر وہ مسلسل غلطیاں کرتا رہے تو مالک اسے معاف نہیں کرتا بلکہ سزا دیتا ہے۔لیکن توبہ کا فلسفہ اس سے بالکل مختلف ہے کہ ہزار بار توبہ کرنے کے باوجود انسان سے گناہ سرزد ہوجائے اور وہ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔

حدیث ۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ''یقیناً ایک بندہ گناہ کرتا ہے''۔ ((فَقَالَ: رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْلِیْ)) ''پھر وہ کہتا ہے: اے پروردگار! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے' مجھے معاف فرما دے''۔ ((فَقَالَ رَبُّہٗ)) ''تو پروردگار کہتا ہے'' ((أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِہٖ)) ''کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا ہے اور اس کی سزا بھی دے سکتا ہے؟'' یعنی وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پالنے والا ہے جو چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو اسے سزا دے دے۔اس کے صرف اس جاننے کی بنیاد پر' اس کے اس علم اور اس کے اس ایمان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ)) ''میں نے اپنے بندے کو معاف کیا''۔ ((ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰہُ)) ''پھر وقت گزرا جتنا کہ اللہ نے چاہا''۔ ((ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ''پھر اس سے گناہ ہوگیا''۔ ((فَقَالَ: رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْہُ)) ''وہ پھر کہتا ہے: اے پروردگار! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے پس تو مجھے

معاف فرما دے''۔ ((فَقَالَ)) ''(تو اس کا ربّ) فرماتا ہے'' ((أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِہٖ)) ''کیا میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرسکتا ہے اور چاہے تو اس پر پکڑ بھی سکتا ہے (سزا بھی دے سکتا ہے)''۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ)) ''میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا''۔ ((ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰہُ)) ''پھر ایک عرصہ گزرا جتنا کہ اللہ نے چاہا''۔ ((ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ''پھر اس سے گناہ ہوگیا''۔ ((قَالَ قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ آخَرَ)) ''اس نے کہا: پروردگار میں نے تو پھر ایک اور گناہ کر دیا'' ((فَاغْفِرْہُ لِیْ)) ''پس مجھے بخش دے''۔ ((فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِہٖ)) ''اللہ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے (جسے وہ پکار رہا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ اسے اختیار حاصل ہے کہ) چاہے تو بخش دے اور چاہے تو پکڑ لے''۔اللہ فرماتا ہے کہ اُس کے اِس علم' اس ایمان کی بنیاد پر میں نے اسے معاف کر دیا: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثَلَاثًا فَلْیَعْمَلْ مَا شَاءَ))(۱) ''میں نے اپنے بندے کو تینوں دفعہ معاف کر دیا۔بس وہ اب جو چاہے کرے۔''

تو یہ ہے توبہ کا فلسفہ اور خالق کائنات کی شانِ غفاری کہ ایک بندہ بار بار گناہ کرتا ہے اور پھر اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر بار معاف کر دیتے ہیں' اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں صرف اس بنا پر کہ اس کے دل میں ایمان باللہ اور اللہ کا ڈر موجود ہے جو اسے ہر بار توبہ پر اکساتا ہے۔

توبہ سے ناامیدی جرم ہے

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے جس سے واضح ہوتا ہے کہ گناہوں کی کثرت کے باوجود توبہ سے ناامید ہونا اور بالخصوص کسی کو توبہ سے ناامید کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔قرآن حکیم میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا واضح حکم ملتا ہے: ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ط﴾ (الزمر:۵۳) ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے' اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب قول اللہ تعالیٰ ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ﴾۔

ہوں!'' ہمارے بعض واعظین کا بھی یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ کسی کو گناہ سے روکتے رہتے ہیں' لیکن جب وہ بار بار منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتا تو غصہ میں کہہ دیتے ہیں کہ ''اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا''۔ کسی بندے کو اس کے ربّ کی رحمت سے مایوس کرنا کتنا بڑا جرم ہے' درج ذیل حدیث سے آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

حدیث ۹: مسلم شریف میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک واقعہ بیان کیا:

((اَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لِفُلَانٍ ' وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَتَاَلّٰی عَلَیَّ اَنْ لَا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ؟ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَاَحْبَطْتُ عَمَلَکَ))(۱)

''ایک شخص نے یہ کہا: اللہ کی قسم' اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون ہے جو میرے اوپر حاکم ہونے کا دعوے دار ہے (یعنی میری طرف سے حکم لگا رہا ہے) کہ میں فلاں شخص کو معاف نہیں کروں گا! اس کو تو میں نے معاف کر دیا اور اس شخص کے تمام اعمال میں نے ضائع کر دیے (یعنی اس شخص نے میرے بندے کو میری رحمت اور شانِ غفاری سے مایوس کیا تھا اس لیے میں نے اس کے تمام اعمال ضائع کر دیے)۔''

اس لیے کبھی بھی کسی برے سے برے شخص کے بارے میں ایسا گمان نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے سکتا ہے' اس کے لیے راستہ کھول سکتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی یاد رکھیں کہ انسان کو اپنی نیکی پر کبھی زعم نہیں ہونا چاہیے۔ اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے' یہ وہی شخص ہوگا جو اپنی نیکی پر زعم رکھتا ہوگا۔ اسی لیے تو اس نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

توبہ کی تاثیر

مندرجہ ذیل حدیث سے آپ کو توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہ بہت ہی عجیب اور لمبی حدیث ہے۔ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ حدیث بخاری و

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب النھی عن تقنیط الانسان من رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ۔

مسلم(۱) دونوں میں موجود ہے۔ یہاں مسلم کے الفاظ نقل کیے جا رہے ہیں۔

حدیث ۱۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا)) ''تم سے پہلے جو اُمت تھی (بنی اسرائیل) اس میں ایک آدمی نے ۹۹ قتل کیے تھے''۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ وہ کتنا بڑا گناہ گار تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ (المائدۃ: ۳۲) ''جس نے کسی ایک انسان کو بھی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا''۔ جبکہ اس نے تو ۹۹ قتل کیے تھے۔ لیکن پھر اس کے اندر توبہ کا جذبہ پیدا ہوا۔ ((فَسَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ)) ''تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ اہل زمین میں کون سب سے بڑا عالم ہے؟'' ((فَدُلَّ عَلٰی رَاھِبٍ)) ''تو اس کی رہنمائی کی گئی ایک راہب کی طرف (کہ وہ بہت نیک اور بڑا عالم ہے)''۔ ((فَاَتَاہُ)) ''وہ اس کے پاس آیا''۔ ((فَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَھَلْ لَہٗ مِنْ تَوْبَۃٍ؟)) ''اس نے (راہب کو) بتایا کہ اس نے ۹۹ قتل کیے ہیں' تو کیا اس کے لیے توبہ کا کوئی امکان ہے؟'' ((فَقَالَ: لَا)) ''اس نے کہا: نہیں''۔ ((فَقَتَلَہٗ)) ''اس نے اس (راہب) کو بھی قتل کر دیا''۔ ((فَکَمَّلَ بِہٖ مِائَۃً)) ''تو اس نے سو کی تعداد پوری کر لی''۔ ((ثُمَّ سَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَھْلِ الْاَرْضِ)) ''پھر اس نے پوچھا اہل زمین میں کوئی اور بڑا عالم انسان ہے؟'' ((فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ)) ''تو اس کی رہنمائی کی گئی ایک بڑے عالم کی طرف''۔ ((فَقَالَ اِنَّہٗ قَتَلَ مِائَۃَ نَفْسٍ)) ''تو اس نے (وہاں جا کر) کہا کہ وہ سو انسان قتل کر چکا ہے''۔ ((فَھَلْ لَہٗ مِنْ تَوْبَۃٍ)) ''تو کیا اس کے لیے توبہ کا کوئی امکان ہے؟'' ((فَقَالَ نَعَمْ)) ''اس نے کہا: کیوں نہیں!'' اُس نے سو قتل کیے تھے لیکن پھر بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ انفرادی سطح پر توبہ کا دروازہ تب تک بند نہیں ہوگا جب تک کہ عالم

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب حدیث الغار۔ وصحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب قبول توبۃ القاتل وان کثر قتلہ۔

نزع کی کیفیت ظاہر نہیں ہو جاتی جیسے ہم نے ماقبل میں بیان کیا۔ اس لیے اس عالم نے کہا کہ تمہارے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ((وَمَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ التَّوْبَةِ)) ’’(اور کہا کہ) تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟‘‘ یعنی کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ تمہاری توبہ کا دروازہ کھلا ہے‘ لیکن ساتھ ہی کہا: ((اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ کَذَا وَکَذَا)) ’’تم فلاں جگہ چلے جاؤ‘‘۔ یعنی جہاں تم رہتے ہو وہاں واپس نہ جاؤ۔ وہاں کا ماحول اچھا نہیں ہے‘ معاشرہ اچھا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم توبہ پر قائم نہ رہ سکو۔ تم فلاں جگہ چلے جاؤ‘ وہاں اچھے لوگ آباد ہیں‘ ان میں جا کر رہو۔ ((فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا یَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ)) ’’وہاں ایسے لوگ آباد ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں‘‘ ((فَاعْبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمْ)) ’’تو تم ان کے ساتھ مل کر اللہ کی بندگی (اور پرستش) کرو‘‘ ((وَلَا تَرْجِعْ اِلٰی اَرْضِكَ)) ’’اور اپنی زمین کی طرف (اپنے وطن میں) واپس مت جاؤ‘‘ ((فَاِنَّهَا اَرْضُ سَوْءٍ)) ’’کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔‘‘

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ ماحول کا انسان کی زندگی پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ نیکوکار کی صحبت انسان کو اچھائی کی طرف لے جاتی ہے جبکہ بروں کی صحبت انسان کو برائی کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔ اس لیے اس عالم نے اسے یہ نصیحت کی کہ تم نے جب توبہ کر لی ہے تو تم اب اپنے علاقے میں واپس مت جانا کیونکہ وہاں اکثریت برے اور بگڑے ہوئے لوگوں کی ہے‘ کہیں تم وہاں رہ کر اپنی توبہ سے پھسل نہ جاؤ اور پھر برائی میں نہ پڑ جاؤ۔ تم فلاں علاقہ میں چلے جاؤ‘ وہاں نیک اور اہل علم لوگ بستے ہیں‘ ان کی صحبت میں رہ کر تم اپنی زندگی کے باقی ایام اپنے ربّ کی عبادت میں گزارو۔

((فَانْطَلَقَ)) ’’تو وہ چل پڑا‘‘۔ ((حَتّٰی اِذَا نَصَفَ الطَّرِیْقَ اَتَاهُ الْمَوْتُ)) ’’یہاں تک کہ جب اس نے آدھا راستہ طے کر لیا تو اس کو موت آ گئی‘‘۔ اور وہاں اس کی جان قبض کرنے کے لیے جنت اور دوزخ دونوں کے فرشتے آ گئے۔ ((فَاخْتَصَمَتْ فِیْهِ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِکَةُ الْعَذَابِ)) ’’پس اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے‘‘۔ ((فَقَالَتْ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ)) ’’رحمت والے (یعنی جنت والے) فرشتوں نے کہا‘‘: ((جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهٖ اِلَی اللّٰهِ)) ’’یہ شخص خلوص سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر رہا تھا‘‘۔ اس لیے اس کی نیت کی بنیاد پر اب یہ جنتی ہے۔ لہٰذا اس کی روح ہم قبض کریں گے اور اسے جنت میں لے جائیں گے۔ ((وَقَالَتْ مَلَائِکَةُ الْعَذَابِ)) ’’اور عذاب والے فرشتے کہنے لگے‘‘: ((اِنَّهٗ لَمْ یَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ)) ’’اس نے کبھی کوئی نیک عمل تو کیا ہی نہیں‘‘۔ تو کس بنیاد پر اس کو تم جنت میں لے جاؤ گے؟ اس کو تو دوزخ میں جانا چاہیے۔ ((فَاَتَاهُمْ مَلَكٌ فِیْ صُوْرَةِ آدَمِیٍّ)) ’’تو ان کے پاس (اللہ نے) ایک اور فرشتے کو انسانی شکل میں بھیج دیا‘‘۔ ((فَجَعَلُوْهُ بَیْنَهُمْ)) ’’تو ان فرشتوں نے اس کو اپنے درمیان ثالث بنا لیا‘‘۔ یعنی یہ کہا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دو کہ کون اس کی روح قبض کرنے کے حق دار ہیں‘ جنت والے یا جہنم والے؟ ((فَقَالَ قِیْسُوْا مَا بَیْنَ الْاَرْضَیْنِ فَاِلٰی اَیَّتِهِمَا کَانَ اَدْنٰی فَهُوَ لَهٗ)) ’’اس نے کہا تم دونوں جگہوں کا فاصلہ ناپ لو (یعنی جہاں سے وہ چلا ہے وہ اس موت والی جگہ کے زیادہ قریب ہے یا جہاں وہ جا رہا تھا؟) جس زمین کے زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہے‘‘۔ ((فَقَاسُوْهُ فَوَجَدُوْهُ اَدْنٰی اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ اَرَادَ)) ’’جب فاصلہ ناپا گیا تو جس طرف وہ جا رہا تھا وہ جگہ زیادہ قریب نکلی‘‘۔ ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب فاصلہ ناپا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف والی زمین کو حکم دے دیا کہ تو سکڑ جا اور دوسری طرف والی کو حکم دیا کہ تو پھیل جا‘ تاکہ جدھر وہ جا رہا تھا وہ بستی زیادہ قریب ہو جائے بہ نسبت اس کے کہ جہاں سے وہ چلا تھا۔ ((فَقَبَضَتْهُ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ)) ’’چنانچہ رحمت کے فرشتے اس بندے کو (جنت میں) لے گئے‘‘۔ یہ ہے توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر۔

اجتماعی گناہ اور اجتماعی توبہ

ایک ہے انفرادی گناہ اور ایک ہے اجتماعی گناہ۔ یہ ساری باتیں جو میں نے اب تک بیان کیں ان میں سے زیادہ کا تعلق انفرادی گناہوں سے ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اجتماعی گناہ کیا ہے؟ پوری قوم غلط راستے پر جا رہی ہے۔ ملک میں اللہ کا نہیں بلکہ انسانی حاکمیت پر مبنی دستور نافذ ہے جو سراسر کفر ہے‘ شرک ہے۔ پورا معاشی نظام سود اور جوئے پر مبنی ہے۔

ٹھیک ہے کچھ لوگ بچے ہوں گے‘ لیکن وہ تو معدودے چند ہوں گے۔ سیاسی نظام سے تو بچا ہوا کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم سب اس ملک میں رہ رہے ہیں‘ ہم اس کے شہری ہیں‘ لہٰذا اگر یہاں غیر اسلامی قوانین نافذ ہیں تو ہم سب مجرم ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ معاشی نظام کا ہے۔ اگر ایک شخص بالفرض سود سے براہِ راست بچ بھی گیا تب بھی سود کے غبار سے‘ جس کو حدیث میں ”دخان“ کہا گیا ہے‘ اس دخان اور دھوئیں سے تو کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہ تو جیسے فضا کے اندر کبھی غبار (dust-suspension) ہو جاتا ہے‘ آپ سانس لیں گے تو غبار اندر جائے گا‘ اسی طرح ہر شخص کے اندر سود جا رہا ہے۔

فرض کیجیے آپ نے اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شرعی پردہ بھی نافذ کیا ہے‘ ستر و حجاب کے احکام بھی ہیں لیکن پورے معاشرے کا رنگ کیا ہے؟ بے حیائی ہے‘ فحاشی ہے‘ عریانی ہے۔ اخبار گھر میں چل کر آ رہا ہے تو کون سی تصویریں لے کر آتا ہے؟ ایک زمانہ تھا‘ رنگین تصویریں اخبارات کے اندر شائع نہیں ہوتی تھیں اور اب بھی دنیا کے اندر ایسا ہی ہے۔ اخبارات میں صرف وہی تصویریں چھپتی ہیں جو کسی واقعہ (event) یا خبر سے متعلق ہوں اور وہ بھی بلیک اینڈ وائٹ ہوتی ہیں۔ ان کے ہاں فحاشی کے دلدادہ لوگوں کے لیے رسالے علیحدہ ہیں‘ ان میں تو عریانی کی انتہا ہوتی ہے‘ لیکن وہ جو چاہے لے لے۔ جبکہ ہم نے خبریں پڑھنی ہیں تو ہمیں وہ اخبار دیا جا رہا ہے جس کے اندر یہ ساری تصویریں ہیں۔ کاہے کے لیے؟ یہ ہمارے گھر میں آ رہی ہیں‘ ہماری بچیاں دیکھ رہی ہیں ان تصویروں کو۔ کیا انہیں یہ خبر دی جا رہی ہے‘ یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ اصل عزت تو ان اداکاراؤں کی ہے‘ اصل عزت تو تھیٹر والوں اور ناچنے والوں کی ہے! مجھے یاد ہے کہ لاہور میں ”مشرق“ نے یہ رنگین تصاویر کا سلسلہ شروع کیا تھا‘ اس سے پہلے اخبارات میں یہ نہیں تھا۔ البتہ اخبارات میں فلموں کے اشتہارات وغیرہ قیامِ پاکستان کے بعد ہی چھپنے شروع ہو گئے تھے۔ اُس وقت ”نوائے وقت“ اس قباحت سے بچا ہوا تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۹ء میں حمید نظامی صاحب نے ”نوائے وقت“ میں ”گھر میں سانپ“ کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ اس قسم کی تصویریں اور اشتہارات لے کر جو اخبار آپ کے گھر آ رہا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے ایک

سانپ آپ کے گھر میں داخل ہو گیا ہو۔ فلموں کے اشتہارات جس قسم کی مخربِ اخلاق تصویروں کے ساتھ چھپتے ہیں‘ آپ کے بچے اور بچیاں انہیں دیکھتے ہیں۔ یہ سانپ ہے سانپ! آج کوئی بھی اخبار اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ فحاشی کے نئے سے نئے طریقے اپنائے جا رہے ہیں کہ یہ بہار کے رنگ ہیں‘ یہ سرما کے رنگ ہیں‘ یہ گرما کے رنگ ہیں۔ فیشن شو ہو رہے ہیں‘ یہ لباس کا مقابلہ ہو رہا ہے‘ یہ حسن کے مقابلے ہو رہے ہیں‘ نعوذ باللہ من ذالک۔ اب ہم اس معاشرے میں رہ رہے ہیں تو ہم ایک اجتماعی گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس سے بھی توبہ کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اکیلا اس کو بدل سکوں۔ لہٰذا اس اجتماعی گناہ کا ازالہ بھی اجتماعی توبہ سے ہوگا۔

اجتماعی توبہ کا طریقہ کار

اجتماعی توبہ کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے افراداً انفرادی طور پر توبہ کریں اور صحیح توبہ کریں۔ صحیح توبہ یہ ہے کہ ہماری زندگی میں جو حرام شے ہے اسے فوراً نکال باہر کریں۔ اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہم اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات پر اپنی امکانی حد تک عمل پیرا ہوں۔ البتہ شریعت کے بعض قانون ہمارے ملک میں رائج نہیں ہیں‘ اس لیے ان پر عمل ممکن نہیں ہے۔ مثلاً ہم کسی زانی کو رجم نہیں کر سکتے‘ کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتے‘ یہ تو تب ہوگا جب اس کا قانون بنے گا۔ تو بعض ایسے احکامات ہیں جن پر ہم قانوناً عمل نہیں کر سکتے‘ لیکن ان کے علاوہ باقی پوری شریعت پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اب سود کی مثال لے لیجیے کہ میں سود بند نہیں کر سکتا‘ بینکوں کو میں آگ نہیں لگا سکتا اور اگر بالفرض بینکوں کو آگ لگا بھی دیں تب بھی سود ختم نہیں ہوگا۔ لیکن میں یہ تو کر سکتا ہوں کہ براہِ راست سود میں ملوث نہ ہوں‘ سود پر قرضہ لے کر اپنا کاروبار نہ چمکاؤں‘ اپنی دکان نہ اونچی کروں۔ کیونکہ کسی نے یہ قانون نہیں بنایا اور نہ آپ پر لازم کیا ہے کہ آپ سودی قرضہ لیں اور اپنی بلڈنگ عالیشان بنائیں۔ اگر آپ ایسا کر رہے ہیں تو آپ مجرم ہیں۔ اسی طرح ہمارے معاشرے میں ایسا کوئی قانون نہیں بنا کہ پردہ اور برقع حرام ہے۔ ترکی میں تو یہ قانون بنا دیا گیا تھا کہ وہاں سر ڈھانپنا اور سکارف لینا بھی ممنوع ہے‘ لیکن یہاں تو ایسا کوئی قانون نہیں ہے‘ تو پھر یہاں

جنہوں نے پردہ چھوڑا ہے وہ خود مجرم ہیں۔ یہاں تو اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مصطفیٰ کمال پاشا جیسا آج تک پیدا نہیں ہوا کہ جس نے ان چیزوں کا حکم دیا ہو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ذرائع ابلاغ فحاشی اور عریانی کی ترغیب دے کر اسے عروج دے رہے ہیں' لیکن اس کے باوجود انتخاب آپ خود کرتے ہیں اور فیصلے کا اختیار بھی آپ کو حاصل ہے۔ اجتماعی توبہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شریعت کے تمام ممکنہ احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے اور جن چیزوں سے گناہ میں پڑ جانے کا امکان ہے اس کو عملاً ترک کیا جائے اور تنہائی میں گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے۔

اجتماعی توبہ کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ عزمِ مصمم یعنی پکا ارادہ کر لیا جائے کہ اے اللہ! اب بقیہ زندگی جتنی بھی ہے اس میں اپنی توانائیاں' اپنی قوتیں' صلاحیتیں سب تیرے دین کی تبلیغ اور تیرے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگا دیں گے۔ ایسا عزم مصمم کرنے والے اگر چودہ کروڑ میں سے چودہ لاکھ بھی ہو جائیں (اس لیے کہ دو چار افراد کے توبہ کرنے سے ملک کی قسمت نہیں بدلتی) یعنی معتدبہ تعداد میں اگر ایسے لوگ جمع ہو جائیں اور پھر وہ مل کر زور لگائیں اور منظّم ہو کر' ایک طاقت بن کر نظام کو بدلنے کی جدوجہد کریں اور پھر اللہ سے دعا کریں تو واقعتاً اس ملک کے اندر شریعت اسلامی کا نفاذ ہو سکتا ہے اور اللہ کا عطا کردہ نظام قائم کیا جا سکتا ہے جس کے لیے یہ ملک بنایا گیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی جان لیجیے کہ سو فیصد لوگ کبھی بھی ٹھیک نہیں ہوئے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوئے تو آج کیسے ہو جائیں گے؟ حضور ﷺ کے زمانے میں منافق بھی موجود تھے۔ بفحوائے قرآنی: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ﴾ (التوبۃ: ۱۰۱) ''تمہارے گردوپیش بدوی ہیں جن میں سے بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی (منافق ہیں) جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں'' --- تو سو فیصد کبھی ٹھیک نہیں ہوتے لیکن کسی معاشرے کے اندر معتدبہ تعداد میں لوگ پہلے مرحلے میں خود توبہ کر کے' اپنی اصلاح کر کے اور دوسرے مرحلے میں ایک اجتماعی قوت کی شکل اختیار کر کے اس نظام کو بدلنے کے لیے تن من دھن

لگائیں۔ اب اگر نظام کو واقعی بدل لیں تب تو توبہ قبول ہو گئی' لیکن فرض کیجیے کہ نہیں بھی کامیاب ہوتے تو خود اُن کی نجات ہو جائے گی جو اس کام میں لگ کر اپنا تن من دھن اللہ کے نظام کے نفاذ کے لیے لگا دیں اور ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾﴾ (الانعام) کی عملی شکل بن جائیں۔

اس کی مثال سورۃ الاعراف میں بیان ہوئی ہے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ ساحل سمندر پر آباد تھا۔ یہ مچھیرے تھے جو مچھلیاں پکڑتے اور بیچتے تھے۔ یہود کے لیے قانون تھا کہ ہفتے کے روز کوئی دنیاوی کام کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ حکم بہت آسان کر دیا ہے کہ جمعہ کی اذان سے لے کر نماز ختم ہو جانے تک کاروبارِ دُنیوی حرام ہے۔ کوئی خالص حلال کاروبار بھی اُس وقت کیا جائے تو وہ حرام ہے' اس کی کمائی حرام ہے' جبکہ اس وقت کے علاوہ باقی تمام اوقات میں دُنیوی کاروبار جائز ہے۔ یہود کی شریعت میں یہ معاملہ بڑا سخت تھا کہ ہفتے کا پورا دن عبادت کے لیے وقف تھا اور اس دن کاروبار وغیرہ بالکل حرام تھا۔ اسی طرح ان کے ہاں روزے کا انداز یہ تھا کہ کھانا پینا بھی نہیں' قضائے شہوت بھی نہیں اور گفتگو بھی نہیں۔ پھر روزے میں سحری نہیں تھی' بس رات کو سو گئے تو روزہ شروع ہو گیا۔ یعنی یہود کی شریعت میں بڑی سختی تھی۔ ہماری شریعت چونکہ بہت بڑے پیمانے پر دنیا میں پھیلنے والی تھی لہٰذا اس میں نرمی رکھی گئی ہے۔ مختلف ملکوں' مختلف مزاجوں اور مختلف پس منظر کے لوگوں نے اس اُمت میں شامل ہونا تھا' ان کو accomodate کرنے کے لیے شریعت میں نرمی رکھی گئی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہودی مچھیروں کا امتحان لیا۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ جیسے انسان کے اندر شعور ہے اسی طرح حیوانات میں بھی ایک شعور ہے۔ وہ مچھیرے ہفتے کے روز مچھلی نہیں پکڑتے تھے جبکہ باقی چھ دن مچھلیوں کی شامت آئی رہتی تھی۔ مچھلیوں کو بھی اندازہ ہو گیا کہ ہفتے میں ایک دن ایسا ہے کہ اس دن ہمیں یہ کچھ نہیں کہتے۔ لہٰذا چھ دن تو وہ کھلے سمندر میں چلی جاتیں اور ساحل پر آتی ہی نہیں تھیں جبکہ ساتویں دن' ہفتے کے روز' وہ ساحل کے قریب خوب اٹھکیلیاں کرتیں' پانی میں اچھل کود کرتیں اور یہ بیٹھے دیکھ رہے ہوتے' کیونکہ پکڑ تو سکتے نہیں تھے۔ بالآخر اس آزمائش میں ناکامی ہوئی اور کچھ لوگوں نے

اس حکم کو توڑا اور مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ جبکہ کچھ لوگوں نے یہ حیلہ نکالا کہ ان کو پکڑتے تو نہیں تھے' لیکن ایسا کرتے تھے کہ ہفتے کے روز ساحل کے کنارے گڑھے کھود لیتے اور ساحل سے نالیاں بنا کر پانی ان گڑھوں میں لے آتے' اس کے ساتھ مچھلیاں بھی آ جاتیں۔ پھر وہ راستہ بند کر دیتے تا کہ مچھلیاں واپس نہ جا سکیں اور اتوار کو جا کر ان کو پکڑ لیتے۔ اس حیلہ سے بھی شریعت کا حکم تو ختم ہو گیا نا! شریعت کا حکم تو اس لیے تھا کہ ہفتہ کے روز دنیوی کاروبار نہ کرو بلکہ اللہ کو یاد کرو' ذکر کرو' نوافل ادا کرو' جو کتاب اللہ تورات کی صورت میں تمہارے پاس ہے اس کا مطالعہ کرو' اس کی تلاوت کرو' لیکن تم نے وہ دن تو اسی دنیوی دھندے میں لگا دیا۔

اس پر قوم تین حصوں میں تقسیم ہو گئی: (i) جو یہ کام عملاً کر رہے تھے' چاہے براہِ راست کر رہے تھے یا نالیاں بنا کر۔ (ii) جو کر تو نہیں رہے تھے' لیکن کرنے والوں کو روکتے بھی نہیں تھے۔ (iii) جو خود بھی بچے ہوئے تھے اور دوسروں کو روک بھی رہے تھے کہ خدا کے بندو! باز آ جاؤ' اللہ کے غضب کو دعوت مت دو۔ ان تین میں سے اللہ تعالیٰ نے تیسرے گروہ کو نجات دی' جو خود بھی بچے ہوئے تھے اور دوسروں کو روکتے بھی تھے۔ فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿١٦٥﴾﴾ (الاعراف)

''پھر جب وہ بھول گئے جو ان کو سمجھایا گیا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو جو برائی سے منع کرتے تھے اور پکڑا ان کو جنہوں نے ظلم کیا برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے۔''

اسی طرح اگر ہماری اجتماعی توبہ کی جدوجہد اس درجے تک نہ پہنچ پائے کہ نظام بدل جائے' پھر بھی اس کا فائدہ جدوجہد کرنے والوں کی اپنی نجات کی صورت میں تو ہو گا۔ فرض کیجیے کہ قوم کا معاملہ اس درجے تک آ گیا ہو کہ اب شامت اعمال آنی ہی آنی ہے' لیکن ہم اپنی سی کوشش کرتے ہیں تو چاہے انقلاب نہ آ سکے' ہم دین کو قائم نہ کر سکیں' منکرات کو ختم نہ کر سکیں' لیکن اگر ہم آخری دم تک یہ کام کرتے رہیں گے تو ہم اللہ کے ہاں نجات پا جائیں

گے' ہماری اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت ہو جائے گی۔ یہ ہے اجتماعی توبہ اور اس کا طریقہ کار۔

توبہ میں دعا کی اہمیت

اجتماعی توبہ کا یہ طریقہ کار میں کئی بار تفصیل سے بیان کر چکا ہوں' لیکن ایک بات کی طرف میرا ذہن حال ہی میں منتقل ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے خلوصِ دل کے ساتھ دعا کریں گے تو اللہ کے نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی دعا ضرور قبول ہو گی۔ دعا بہت بڑی شے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))(۱) ''دعا عبادت کا مغز ہے''۔ دوسری حدیث میں فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))(۲) ''دعا ہی عبادت ہے''۔ اجتماعی توبہ کا جو منہج میں بیان کرتا ہوں' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تو بڑا لمبا راستہ ہے کہ کم از کم دو تین لاکھ انسان صحیح معنی میں توبہ کریں' پھر وہ ایک طاقت بنیں اور تن من دھن لگانے اور اپنی جانیں دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ کافی لمبا راستہ لگتا ہے ع ''دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی'' -- اس پر میرا ذہن منتقل ہوا ہے دعا کی طرف۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرة:۱۸۶) ''میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی مجھے پکارے''۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (النمل:۶۲) ''بھلا وہ کون ہے جو کسی مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے''۔ مضطر کہتے ہیں نہایت پریشان حال کو۔ جب ایک مضطر اور پریشان حال اللہ کو پکارے کہ اے اللہ! کسی اور طرف سے مجھے کوئی توقع نہیں رہی' کوئی ایسا نہیں رہا جس سے مجھے کوئی امید ہو تو اے پروردگار! تو میری دستگیری فرما۔ یہ مضطر جب اضطرار کی حالت میں بالکل بے چین ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

دعا کے بارے میں تو یہاں تک الفاظ آتے ہیں: ((لَا يُرَدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ))(۳) ''قضا کو کوئی شے نہیں بدل سکتی سوائے دعا کے''۔ تقدیر الٰہی کو بھی اسی لیے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے: (ا) تقدیر مبرم یعنی اللہ کا وہ فیصلہ ہے جو کسی صورت میں ٹل

(۱) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ۔ (۲) ایضاً۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب القدر عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء لا یرد القدر الا الدعاء۔

نہیں سکتا۔ (۲) تقدیرِ معلق: یہ بھی اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے لیکن اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور اس تقدیرِ معلق میں دُعا انتہائی مؤثر شے ہے۔ دُعا کی قبولیت کے لیے شرط وہی ہے کہ پہلے خلوص نیت سے اجتماعی توبہ کریں اور پھر دین الٰہی کی تبلیغ اور اللہ کے نظام کو قائم کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور حرام سے اپنے وجود اور اپنے گھر کو پاک کریں۔ اس کے بغیر دعا کی قبولیت ممکن نہیں' جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں فرمایا گیا: ﴿قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ﴾ (آیت ۶۸) ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے' اے اہل کتاب تمہاری کوئی حیثیت نہیں اللہ کی نگاہوں میں (یعنی تمہاری کوئی دعا اللہ کے ہاں قابل پذیرائی نہیں ہے) جب تک کہ تم قائم نہیں کرتے تورات اور انجیل کو اور جو کچھ بھی تم پر نازل کیا گیا تمہارے ربّ کی طرف سے''۔ اسی کی کمی ہے' ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیس تیس لاکھ آدمی حج کے موقع پر کیسی کیسی دعائیں مانگتے ہیں' لیکن ان دعاؤں کی قبولیت کے آثار ہمیں نظر نہیں آتے۔ آثار تب نظر آئیں گے جب خالص اور صحیح معنوں میں توبہ ہو گی۔

موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اب آئیے آج کے حالات کی طرف' جو میری گفتگو کا دوسرا حصہ ہے۔ آج کے حالات کا جتنا مرثیہ کہا جائے کم ہے۔ ایک تو پوری اُمتِ مسلمہ کا معاملہ ہے کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں' لیکن عزت نام کی کوئی شے نہیں۔ کتنا بڑا رقبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قدموں تلے رکھا ہے اور پھر اس رقبہ میں سارے وسائل و ذرائع موجود ہیں۔ بہترین نباتات اور بہترین معدنیات یہاں موجود ہیں' تیل کے سب سے بڑے ذخیرے مسلمانوں کے قدموں تلے ہیں' لیکن نہیں ہے تو عزت نام کی شے نہیں ہے۔ ہمارے وسائل پر دوسروں کا قبضہ ہے' ہمارے ملکوں میں غیروں کا سکہ چلتا ہے' دنیا میں اکثر مسلمان حکومتیں امریکہ کی پٹھو اور آلہ کار ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری پالیسیاں وہ طے کرتے ہیں۔ ہمارے حکمران ان کے چشم و ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ پھر اسرائیل کے ہاتھوں عالم عرب کی جو رسوائی ہو رہی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ اسرائیل میں کل تیس پینتیس لاکھ یہودی ہیں' جبکہ فلسطین اور آس پاس کے علاقے میں مسلمانوں کی تعداد یہودیوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اور پھر فلسطین کے اردگرد عرب ممالک میں تیس کروڑ کے قریب مسلمان ہیں' لیکن کوئی ان مٹھی بھر یہودیوں کے مقابلے کی جرأت نہیں رکھتا۔

اُمت مسلمہ ذلت و مسکنت کا شکار ہے

موجودہ حالات کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس وقت اُمت مسلمہ پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں یہود کے بارے میں فرمایا گیا ہے:
﴿وَضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَالۡمَسۡکَنَۃُ ٭ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ؕ﴾ (البقرۃ: ۶۱)
''اور ان پر ذلت و خواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے''۔ لیکن آج ان الفاظ کا مصداق اُمت مسلمہ بن چکی ہے۔ ایک طرف تو ذلت و رسوائی کا یہ عذاب ہے جو اس وقت پوری اُمت مسلمہ پر مسلط ہے' دوسری طرف ہمارا حال

کیا ہے؟ ہمیں یہ کہتے ہوئے ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئے ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے' لیکن کبھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ ہم الٹی میٹم دیتے کہ کشمیر چھوڑ دو ورنہ آؤ مقابلہ کرو! یہ خوف نہیں ہے تو کیا ہے؟ اوپر سے صلح ہے' بھارت سے سفارتی تعلقات ہیں' لیکن ہماری خفیہ کارروائیاں جاری ہیں کہ اندر ہی اندر ہم کمانڈوز بھی بھیج دیتے ہیں۔ یہ طریقے تو ویسے بھی حرام ہیں۔ قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے تو پہلے اس کا معاہدہ اس کے منہ پر دے مارو اور پھر اقدام کرو۔ یہ منافقت اسلام نہیں سکھاتا کہ معاہدہ بھی رہے اور اندر ہی اندر اقدام بھی کرتے رہو۔ آج بھارت ہمارا پانی روک کر گویا ہمارا پیچ کستا جا رہا ہے۔ آپ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ بھارت ہمارے میدانوں کو صحرا میں بدل کر رکھ دے گا' جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کشمیر کے لیے اسے کوئی الٹی میٹم نہیں دے سکے تو اب پانی کے لیے کہاں دیں گے! یہ کیا ہے؟ یہ ذلت و مسکنت ہے جو ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ تو یہ اللہ کا عمومی عذاب ہے پوری اُمت مسلمہ پر۔ آپ ذرا غور کیجیے کہ دنیا میں جہاں بھی خون بہہ رہا ہے وہ مسلمان کا ہے۔ وہ کشمیر ہو' فلسطین ہو' چیچنیا ہو' بوسنیا ہو' کوسوو ہو' صومالیہ ہو' افغانستان ہو یا عراق ہو۔ بقول اقبالؒ

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

اُمت مسلمہ کی ذلت و مسکنت کا سبب

اُمت مسلمہ کی اس ذلت و رسوائی کا اصل سبب ہمارا یہ جرم ہے کہ ہم نے زمین کے کسی حصے پر بھی اللہ کا دین قائم کر کے لوگوں پر حجت قائم نہیں کی کہ آؤ دیکھو یہ ہے محمد ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا سب سے بڑا مظہر' یہ ہے اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی (Politico-Socio-Economic System of Justice) جو محمد ﷺ نے دیا ہے' جسے آپ ﷺ نے اپنے زمانے میں قائم کر کے دکھا دیا تھا۔ آج بھی دنیا کو دکھانا ہو گا کہ آؤ دیکھو یہ نمونہ ہے۔ یہ نہیں کہ پدرم سلطان بود کہ ہمارا ایسا نظام تھا' بہت اعلیٰ تھا۔ کتابوں میں لکھا ہوا نظام دنیا پر حجت نہیں ہے۔ یہ سبب ہے ہماری عمومی ذلت و مسکنت کا جو

اس وقت دنیا میں ہمارے اوپر چھائی ہوئی ہے۔

ایک اعتبار سے اہل عرب مسلمان اس ذلت و رسوائی میں ایک قدم آگے ہیں' اس لیے کہ وہ سب سے بڑے مجرم ہیں۔ کیونکہ جس کا جتنا رتبہ بلند ہوتا ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے: ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!'' ان کو ایک رتبہ یہ دیا گیا کہ محمد عربی ﷺ ان ہی میں سے تھے۔ ع ''یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا''۔ دوسرا رتبہ ان کو یہ دیا گیا کہ ان کی مادری زبان میں اللہ کا کلام اُترا۔ انہیں اس کو سمجھنے کے لیے کوئی گرامر سیکھنی نہیں پڑتی' کوئی گردانیں رٹنی نہیں پڑتیں۔ اس کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی کہیں ایک انچ زمین پر دینِ حق کا نظام قائم نہیں کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دنیا میں قائم ہوا۔ پوری اُمت مسلمہ میں سے عربوں کا درجہ بلند ہونا اس طرح ہے جیسے سورۃ الاحزاب میں ازواج النبی ﷺ سے کہا گیا: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (آیت ۳۲) ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو''۔ یعنی تم پر جو اللہ کا خصوصی فضل ہوا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم میں سے اگر کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کی سزا دوگنی ملے گی۔

پاکستان کی ذلت و مسکنت کا سبب: اللہ سے کی گئی وعدہ خلافی

اس ضمن میں عربوں کے بعد سب سے بڑا معاملہ پاکستان کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے یہ خطۂ ارضی اللہ سے ایک عہد کر کے' گڑگڑا کر دعائیں مانگ مانگ کر لیا تھا۔ آج جو جس کے منہ میں آتا ہے بک دیتا ہے' لیکن میں تو اس کا چشم دید گواہ ہوں۔ تقسیم ہند کے وقت میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کا جنرل سیکرٹری تھا۔ ہم نے جلوس نکالے اور ہر اجتماع میں دعائیں مانگیں' چاہے وہ اجتماع عیدین کے ہوتے تھے یا جمعہ کے۔ ہم بس یہی دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! یہ نہ ہو کہ انگریز کی غلامی کے بعد ہم ہندو کے غلام بن جائیں' ہمیں اس دوہری غلامی سے نجات دے دے' ہمیں ایک علیحدہ مملکت دے دے' اس میں ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے' تیرے نبی ﷺ کا لایا ہوا نظام قائم کریں گے۔ علامہ اقبال نے بھی ۱۹۳۰ء میں خطبۂ الٰہ آباد میں یہی بات کہی تھی اور پھر قائداعظم نے اسی کی تکرار کی کہ

ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ پیش کر سکیں کہ آؤ دیکھو یہ ہے وہ نظام عدل اجتماعی جس کی تلاش میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ فرانس کا انقلاب آیا تھا تاکہ سیاسی اعتبار سے عدل ہو جائے۔ سیاسی اعتبار سے تو کچھ عدل ہوا کہ بادشاہت ختم ہوگئی' لیکن اب اقتصادیات کے راستے سے معاشی ظلم وجود میں آ گیا اور صنعتی انقلاب کے بعد سرمایہ دار گردن پر سوار ہو گیا۔ اس سے نجات پانے کے لیے ۱۹۱۷ء میں مارکس کا بالشویک انقلاب آیا تو اب ایک پارٹی مسلط ہوگئی۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا تو اب انسان کدھر جائے گا؟ مغرب کو اصل خطرہ یہ ہے کہ کہیں لوگ اسلام کی طرف نہ دیکھنے لگیں۔ یہی بات اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے اندر ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی:

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

یہ ہے اصل میں وہ چیز جس کے لیے ہم نے یہ ملک بنایا' لیکن ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ساٹھ برس سے زیادہ ہو چکے ہیں اور ہم نے نہ وہ دین قائم کیا' نہ وہ قوانین نافذ کیے۔ آپ دیکھیں زیادہ دیر نہیں گزری جب افغانستان میں طالبان نے صرف چند اسلامی احکام اور چند شرعی سزائیں نافذ کی تھیں اور پورے افغانستان میں امن ہو گیا تھا۔ ملا عمر کے ایک حکم پر پوست کی کاشت زیرو ہوگئی تھی۔ اسی پر اہل مغرب کو اندیشہ ہوا کہ ابھی تو انہوں نے شریعت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں نافذ کی ہیں اور برکات کا ظہور ہو گیا ہے' اگر کہیں پوری شریعت نافذ ہوگئی اور پورا دین آ گیا تو پھر ہمارا نظام کہاں رہے گا؟ کیا سورج کے طلوع ہونے کے بعد تاریکی موجود رہے گی؟ اس لیے انہیں خوف لاحق ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اسلام کو نظام سمجھنے والے بنیاد پرست (Fundamentalists) ہمارے دشمن ہیں' ہم انہیں تباہ کر کے رہیں گے' ہم ان کو کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم ہمیشہ سے ایسے تھے؟ ہرگز نہیں! ہمارا اس درجے گھٹیا کردار پہلے تو نہیں تھا' ہمارا معاشرہ اتنا برا کبھی نہیں تھا: ع ''جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ

تھی!'' یہ کیوں ہوا ہے' یہ سمجھنے کی بات ہے۔ ہمارے ہاں کچھ کالم نگار اور کچھ دانشور جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں کہ جمہوریت نہیں چلنے دی گئی اس لیے یہ خرابی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جمہوریت کا نہ چلنا ایک علامت ہے' مرض نہیں ہے۔ مرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی' تو یہ اس وعدہ خلافی کی ایک سزا ہے جو ہم پر اس وقت مسلط ہوئی ہے:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں!

آج جو مسلمان دنیا میں ذلیل وخوار ہیں تو کیا یہ مال و دولت کی کمی کی وجہ سے ہے؟ نہیں! مال و دولت کی جو بہتات اس وقت متحدہ عرب امارات' سعودی عرب اور بعض دوسرے ممالک کے اندر ہے اتنی بہتات دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ برونائی کا سلطان دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہے اور وہ مسلمان ہی تو ہے۔ معلوم ہوا ہمارا زوال کسی اور وجہ سے ہے۔

اللہ سے کی گئی وعدہ خلافی کے اثرات ونتائج

ہم نے پاکستان میں وہ کام نہیں کیا جس کا ہم نے اللہ سے وعدہ کر کے پاکستان لیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو گئے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ہم سیاسی طور پر نابالغ ہیں' کیونکہ ہمارے سیاست دان یہاں کی حکومت کو سنبھال ہی نہیں سکے۔ اس سے آگے بڑھ کر قوم ایک قوم نہیں رہی بلکہ قومیتوں میں تحلیل ہوگئی ہے۔ اب قوم کہاں ہے؟ ع ''ڈھونڈ اب اس کو چراغِ رخِ زیبا لے کر!'' اِدھر پشتون ہیں' اُدھر بلوچ ہیں' اِدھر سندھی ہیں' اُدھر سرائیکی ہیں' اِدھر پنجابی ہیں' اُدھر اردو بولنے والے ہیں' اس طرح یہ ایک قوم تو نہیں رہی۔ اگر یہ ایک قوم ہوتی اور کالا باغ ڈیم کو ایک ملک کا معاملہ سمجھا جاتا تو آج سے کم از کم دس پندرہ برس پہلے یہ ڈیم بن چکا ہوتا' لیکن یہ تو صوبائی معاملہ بنا دیا گیا ہے۔ سندھی کے نزدیک اگر پورا ملک ڈوبتا ہے تو ڈوب جائے' ختم ہوتا ہے تو ہو جائے' پنجاب صحرا میں تبدیل ہوتا ہے تو ہو جائے' ہمیں کیا؟ اور ایسا فی الواقع ہو رہا ہے۔ ہم نے تین دریا بھارت کو دے دیے تھے' باقی جو دو ہیں ان کے اوپر وہ کتنے ڈیم بنا چکا ہے اور کتنے مزید بنا رہا ہے۔ وہ

تو اگلا کام یہ کر رہا ہے کہ دریائے سندھ کا پانی بھی ایک سرنگ (tunnel) کے ذریعے سے ایک پہاڑ کو چیر کر لانا چاہتا ہے تاکہ اسے بھی وہ اپنے استعمال میں لے آئے۔ تم آپس میں ڈیم کے لیے لڑتے رہو اور جب تم ڈیم بنانے کا فیصلہ کرو گے تو اس وقت ڈیم کے لیے پانی کہاں سے آئے گا؟ اور اگر ڈیم نہیں بھی بنے گا تو وہ پانی کہاں ہو گا جس سے سندھ سیراب ہو گا؟

اسی طرح کا معاملہ ہمارے باقی اداروں کا ہے۔ کرپشن نے پورے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ بینکوں کا معاملہ کیا ہے؟ بینکوں کے پاس جو پیسہ ہوتا ہے وہ قوم کی امانت ہوتا ہے' لیکن ہمارے بینک ذریعہ بن گئے ہیں اس دولت کو لوٹنے کا' لٹانے کا اور سیاسی رشوتیں دینے کا۔ بالکل جعلی دستاویزات کے اوپر کروڑوں کے قرضے جاری کر دیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اربوں کے قرضے معاف کیے جا رہے ہیں۔ یہ کسی کے باپ کی دولت تھی جو معاف کر دی گئی؟ ہماری انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ عدلیہ کا حال اس سے بھی برا ہے۔ یہاں عدل بکاؤ مال ہے اور عدالتیں درحقیقت سودے بازی کے اڈے بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمارے سیاست دان کھلے عام جھوٹ بول رہے ہیں' حالانکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن اور خواہ کچھ بھی ہو جائے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ :اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ :((نَعَمْ)) فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا؟ فَقَالَ :((نَعَمْ)) فَقِيْلَ لَهٗ :اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ : ((لَا!))(۱)

''رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ پھر پوچھا گیا: کیا مؤمن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ پھر سوال کیا گیا' کیا مؤمن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں!''

جبکہ ہمارے سیاست دان جھوٹ اور وعدہ خلافی کے بادشاہ ہیں۔ وعدہ خلافی کے بارے

(۱) موطأ مالك' كتاب الجامع' باب ما جاء فی الصدق والكذب۔

میں حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ))(۱)

''جس میں امانت داری نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔''

آج اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدرِ مملکت استہزائیہ انداز میں کہتا ہے کہ کیا وعدے چاہے وہ تحریر شدہ بھی ہوں' پورے کرنے کے لیے ہوتے ہیں؟ وعدہ خلافی علامت ہے خیانت کی' اور اس سطح پر خیانت ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں بلکہ اربوں کھربوں کی ہوتی ہے۔ حکمران تو معاشرے کے عکاس ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں بتا رکھا ہے: ((كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ))(۲) ''جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی لوگ تمہارے اوپر حکمران ہو جائیں گے!'' چنانچہ میں یہ کہا کرتا ہوں اور آج پھر کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ جو جتنا بڑا ہے' اِلا ماشاءاللہ' وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے۔ جو جتنا بڑا ہے' اِلا ماشاءاللہ' وہ اتنا ہی وعدہ خلاف ہے اور جو جتنا بڑا ہے' اِلا ماشاءاللہ' وہ اتنا ہی خائن اور غبن کرنے والا ہے۔☆

قیامِ پاکستان: ایک معجزہ' ایک آزمائش

یہ بات سمجھ لیجیے کہ پاکستان کا قیام پولیٹکل سائنس کے اصولوں کے حوالے سے کسی حساب کتاب میں نہیں آتا۔ اس کے باوجود پاکستان کا قیام ایک معجزہ تھا۔ ہندو ہم سے

(۱) مسند احمد' ح ۱۱۹۳۵ و ۱۲۱۰۸ و ۱۲۷۲۲ و ۱۳۱۴۵۔ الترغيب والترهيب للمنذری' ج۴' ص ۷۷۔ راوی: انس بن مالك رضی اللہ عنہ۔

(۲) رواه البيهقی فی شعب الايمان۔ بحواله مشكاة المصابيح' كتاب الامارة والقضاء' الفصل الثالث۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے مستقبل کے حکمرانوں کے بارے میں ایک پیشین گوئی کی تھی جو آج ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَيَكُوْنُ اُمَرَاءُ بَعْدِيْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ)) (مسند احمد كتاب مسند المكثرين من الصحابة' باب مسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ' ح:۴۱۳۳) ◀◀

تعداد میں تین گنا زیادہ تھے۔ مسلم لیگ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی اور مسلمانوں کی بھی کوئی حیثیت ہندوؤں کے مقابلے میں نہیں تھی۔ تعلیم اور کاروبار میں ہم بہت پیچھے تھے' جبکہ صنعت وحرفت میں تو ہمارا کوئی دخل تھا ہی نہیں' اس میں تو سارے کے سارے ہندو تھے۔ پھر اُس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی اور وزیراعظم اٹیلی کو قائداعظم سے نفرت تھی' جس کا اظہار وہ اپنی کتاب میں کر چکا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلا تھا اور گاندھی نے کہا تھا کہ پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے۔ پھر کیسے بن گیا پاکستان؟ انگریز کہتے تھے کہ ہندوستان کبھی متحد نہیں رہا' کبھی ایک یونٹ بن کر نہیں رہا اور یہ ہمارا بڑا کارنامہ ہے کہ ہم نے ایسا کر کے دکھا دیا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ ان کا یہ کارنامہ باقی رہے' لیکن انہوں نے نام لیا اقبال کا کہ اس نے ہمارے اس خواب کو پورا نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبال ۱۹۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں موجود تھے۔ رمزے میکڈونلڈ نے اسی کانفرنس کے موقع پر کہا تھا:

"A poet has destroyed our dream of United India."

یعنی ہم ہندوستان کو ایک ہی ملک کی حیثیت سے چھوڑ کے جانا چاہتے تھے مگر ایک شاعر نے ہمارا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبال کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ تھا جس نے ان کے خواب کی دھجیاں بکھیر دی تھیں' جس میں انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ ہندو کے ساتھ ہماری ایک قومیت نہیں ہے:

We are a different nation altogether.

تو یہ جان لیجیے کہ پاکستان اس وعدے کی بنا پر بنا ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے نظام کو نافذ کرنے کا کیا تھا اور اللہ کی مشیت خصوصی سے بنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش بھی ہے۔ اس کے لیے میں سورۃ الاعراف سے ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔ میری ساری سوچ بچار' میرا سارا غور وفکر'

◄◄ ''عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو کہیں گے وہ جو کریں گے نہیں اور وہ کریں گے جس کا انہیں حکم نہیں دیا جائے گا۔'' یعنی ان کے قول وفعل میں تضاد ہوگا۔ (اضافہ از مرتب)

میرا سارا دارومدار تو کتاب وسنت ہے۔ وہی مبنیٰ بھی ہے جس پر بنیاد ہوتی ہے' وہی محور بھی ہے جس کے گرد کوئی چیز گھومتی ہے۔ میری سوچ اور غور وفکر کا مبنیٰ بھی قرآن وسنت ہے اور محور بھی----سورۃ الاعراف میں ایک مثال دی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر میں مبعوث ہوئے' بنی اسرائیل اُس وقت بڑے شدید مصائب میں گرفتار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بھی آلِ فرعون ان پر ظلم کر رہے تھے اور انؑ کے آنے کے بعد بھی یہ مظالم جاری تھے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکوہ کیا: ﴿اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ﴾ ''ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے جاتے رہے ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی''۔ یعنی ہمارا حال وہی ہے' آپ کے آنے کے بعد بھی ہمارا حال نہیں بدلا۔ جواب میں کہا گیا: ﴿عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّہۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ''عنقریب تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا' پھر دیکھے گا تم کیا کرتے ہو''۔ میں جب یہ آیت پڑھتا ہوں تو مجھے صاف نظر آتا ہے کہ پاکستان کا قیام بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہے اس لیے کہ قیام پاکستان میں بہت دشواریاں تھیں۔ پاکستان کا قیام گاندھی کی موت تھی' نہرو اور پٹیل کی موت تھی' کانگریس کی موت تھی' وہ اس کو کسی درجے میں قبول کرنے کو تیار نہیں تھے اور آج تک انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس سب کے باوجود اللہ نے پاکستان دے دیا تو یہ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا' جیسے بنی اسرائیل کا امتحان لیا گیا کہ اگر تمہیں اقتدار مل جائے تو تم کیا کرتے ہو؟ یہ وہ امتحان تھا جس میں ملت اسلامیہ پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد مبتلا ہوگئی تھی' لیکن اس امتحان کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ساڑھے ۶۱ برس ہوگئے اور وہ اسلام تو قائم نہیں ہوا۔ ہم نے اللہ سے اپنا عہد توڑا ہے' وعدہ خلافی کی ہے۔

اسلام: دین یا مذہب؟

دیکھئے ایک ہے اسلام مسجدوں والا' نمازوں والا' روزوں والا' حج والا۔ وہ تو انڈیا میں بھی ہے' امریکہ میں بھی ہے۔ وہاں مسجدیں بن رہی ہیں' روزے رکھے جا رہے ہیں' عیدیں

منائی جاتی ہیں‘ یعنی اسلام مذہب کی حیثیت میں دنیا میں ہر جگہ موجود ہے‘ لیکن اسلام بحیثیت دین کہیں نہیں ہے۔ دین کہتے ہیں مکمل نظامِ حیات کو‘ اور قرآن میں اسلام کے لیے ہمیشہ لفظ دین آیا ہے‘ مذہب نہیں آیا۔ پورے قرآن میں لفظ مذہب ہے ہی نہیں۔ حدیث میں بھی میری معلومات کی حد تک لفظ مذہب نہیں آیا۔ ہماری تاریخ میں مذہب کا لفظ استعمال ہوتا ہے مگر فقہی مسالک کے لیے‘ مثلاً مذہب ابی حنیفہ‘ مذہب شافعی‘ مذہب مالکی‘ یہ مذاہب ہیں اور دین سے مراد تو اللہ کا دین یعنی دین اسلام ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ﴾ (آل عمران:۱۹) ”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے“۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ (آل عمران:۸۵) ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا“۔ یہی وہ دین ہے جس کو نافذ کرنے کے لیے ہم نے پاکستان مانگا تھا ورنہ اسلام بحیثیت مذہب تو دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔

صدر بش کے آخری ایام میں ان کے موقف میں تھوڑی تبدیلی ہو گئی تھی‘ ورنہ امریکی حکمرانوں کا موقف یہ تھا کہ مذہبِ اسلام سے ہماری کوئی جنگ نہیں ہے‘ ہاں اگر اسلام بحیثیت نظام کی بات کرو گے تو جنگ ہوگی۔ چنانچہ میں اپنی تقریروں میں یہ کہتا رہا ہوں کہ صدر بش امریکہ میں مقیم مسلمانوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھو تم ہندوستان سے آئے‘ عرب سے آئے‘ شام سے آئے‘ ترکی سے آئے اور تم نے یہاں آ کے چرچ خرید کر مسجدیں بنا لیں‘ کیا ہم نے کبھی تمہیں روکا؟ تم نے یہودیوں کے سینیگاگ خریدے اور انہیں مسجد بنا لیا‘ ہم نے نہیں روکا۔ تم روزے رکھتے ہو ہم کبھی نہیں روکتے ہیں‘ بلکہ ہم وائٹ ہاؤس میں ایک افطاری بھی دے دیتے ہیں۔ تم عید مناتے ہو اور ہم تمہاری عید الفطر اور بقرعید پر یادگاری ٹکٹ شائع کر دیتے ہیں۔ تو تمہارے مذہبِ اسلام سے تو ہماری کوئی جنگ نہیں ہے...... لیکن یہ ذرا پرانی بات ہے۔ حال ہی میں وہاں کا Neocons طبقہ یہ کہتا ہے کہ یہ مذہب بھی شیطانی مذہب ہے۔ نقل کفر کفر نباشد‘ وہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ!) Quran is evil (معاذ اللہ!) Muhammad is evil

چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اس مذہب کی بھی جڑ کاٹنی پڑے گی‘ اس لیے کہ قرآن تو اپنے اندر پورے کا پورا دین اور پورے کا پورا نظام لیے ہوئے ہے۔ قرآن سے آپ جہاد کو کھرچ نہیں سکتے‘ ہاں اپنے سکولوں کے نصاب سے آیاتِ جہاد نکال سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض عرب ممالک میں نصابی کتب میں سے جہاد سے متعلق آیات اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت پر مبنی آیات نکال دی گئی ہیں‘ لیکن قرآن میں سے تو ان کو کوئی نہیں نکال سکتا‘ کیونکہ اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (الحجر) ”یہ الذکر تو ہم نے خود نازل کیا اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں“۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ﴾ (حٰم السجدۃ:۴۲) ”باطل اس پر حملہ آور ہو ہی نہیں سکتا‘ نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے“۔

وعدہ خلافی کی سزا: منافقت

ہم نے جو مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلام کو بحیثیت دین نافذ نہیں کیا‘ جس کا ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا‘ تو اس کی سزا ہمیں منافقت کی صورت میں مل رہی ہے۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ اسلام کیوں نافذ نہیں ہوا؟ مجرم کون ہے؟ میرے نزدیک پوری قوم مجرم ہے‘ اِلاّ یہ کہ جو بھی نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگاتا رہا ہے وہ اللہ کے ہاں بچ جائے گا‘ باقی تو پوری قوم مجرم ہے۔ ہاں قوم کے اندر جس کی جتنی بڑی حیثیت ہے اتنی ہی بڑی اس کی ذمہ داری بھی ہو جاتی ہے‘ لیکن میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا۔ چونکہ یہاں اسلام کا نظامِ اجتماعی نہیں آ سکا‘ لہٰذا اس جرم کی سزا کے طور پر ہم پر منافقت مسلط کی گئی ہے۔ اس بات کو میں سورۃ التوبہ کی تین آیات کے حوالے سے بیان کرتا ہوں۔ مدینہ کے منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۷۷﴾

’’ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (دولت دے گا‘ غنی کر دے گا) تو ہم خوب صدقہ وخیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے بخل سے کام لیا (تجوریوں پر تالے لگا دیے) اور پیٹھ پھیر کر اعراض کرنے لگے۔ تو عقوبت (سزا) کے طور پر ہم نے ان کے دلوں کے اندر نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک کے لیے جب یہ اُس سے ملیں گے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا نہ کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔‘‘

یہی سزا خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان پر مسلط ہوئی ہے اس وعدہ خلافی کی وجہ سے جو ہم نے اللہ سے کی ہے۔

آپ غور کیجیے کہ دنیا کا کوئی اور مسلمان ملک اللہ سے اس طرح کا عہد کر کے آزاد نہیں ہوا۔ نہ مصریوں نے کبھی ایسا عہد کیا‘ نہ شامیوں نے کیا‘ نہ سعودیوں نے کیا‘ نہ ایرانیوں نے کیا اور نہ ہی افغانیوں نے کیا۔ ایک ملک جو پہلے موجود تھا ہی نہیں‘ اسلام کے نام پر بنا ہے‘ جبکہ باقی ممالک تو ہمیشہ سے تھے۔ انڈونیشیا بھی ہمیشہ سے تھا‘ مصر‘ لیبیا‘ الجزائر‘ شام سب ہمیشہ سے تھے۔ پاکستان جو ایک برعظیم کو تقسیم کر کے نیا ملک بنایا گیا وہ اسلام کے نام پر بنایا گیا اور وہاں اسلام نہیں آیا۔ یہ ہے ہمارا وہ اضافی جرم جس کی اضافی سزا یہ ملی ہے۔

میں آج بڑے دکھ کے ساتھ کہہ رہا ہوں‘ لیکن میں اگر یہ الفاظ استعمال نہیں کروں گا تو آپ میرے اصل احساسات کو سمجھ نہیں سکیں گے‘ کہ آج مسلمانانِ پاکستان دنیا کی عظیم ترین منافق قوم ہے۔ اس منافقت کا ذرا حساب کر لیجیے۔ اس بارے میں دو احادیث نبوی پیش کر رہا ہوں جو دونوں متفق علیہ ہیں۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))[1]

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب علامة المنافق۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان خصال المنافق۔

وفی روایةٍ لمُسْلم:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ))

’’منافق کی تین نشانیاں ہیں: (i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔‘‘

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ’’منافق کی تین نشانیاں ہیں‘ اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔‘‘

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))[1]

’’چار چیزیں اگر کسی میں ہوں تو وہ پکا منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے (وہ چار نشانیاں یہ ہیں) (i) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے (ii) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (iii) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (iv) جب کسی سے جھگڑ پڑے تو آپے سے باہر ہو جائے (یعنی گالم گلوچ اور مار دھاڑ پر اُتر آئے)۔‘‘

ان نشانیوں کو سامنے رکھیے اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیجیے۔ میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے ہاں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے‘ اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے۔ یہ کسی اور کی بات نہیں ہے‘ یہ ہم خود ہیں۔ اپنے گریبانوں میں جھانک لیں‘ جھوٹ سے کتنے بچے ہوئے ہیں‘ ایفائے عہد کتنا ہے ہمارے اندر! اگر ایک طرف پیسہ ہو اور دوسری طرف دیانت تو ہم کدھر جائیں گے؟ یہ ہمارا قومی کردار ہے اور اسی وجہ سے قوم کھوکھلی ہو گئی ہے۔ یہ نفاقِ عملی ہے‘ از روئے حدیث: ’’جس کے اندر امانت کا وصف نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں ہے اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔‘‘

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب علامة المنافق۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان خصال المنافق۔ واللفظ للبخاری۔

پاکستان کا دستور' منافقت کا پلندہ ہے!

آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک کی اہم ترین دستاویز اس کا دستور ہوتا ہے ۔ میں سخت الفاظ کہہ رہا ہوں کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اگرچہ اس میں پورا اسلام موجود ہے' لیکن اسلامی دفعات کے مؤثر ہونے میں بہت سے چور دروازے حائل ہیں۔ جیسے منافق مسلمان تو ہوتا تھا' لیکن اس میں ایمان نہیں ہوتا تھا اسی طرح ہمارے دستور میں پورا اسلام موجود ہے لیکن ایمان نہیں ہے ۔ قراردادِ مقاصد (آرٹیکل 2-A) پاکستان کے دستوری خاکے میں ''رہنما اصول'' کی حیثیت سے موجود ہے' لیکن یہ پورے دستور پر حاوی نہیں ہے۔ اس میں صرف ایک جملہ بڑھا دیا جائے:

"This article will take precedence over all the provisions of the constitution."

یعنی یہ دفعہ پورے دستور پر حاوی رہے گی تو اس طرح اِس دور میں اسلامی ریاست کا دستوری تقاضا صد فی صد پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے' بلکہ ہمارے دستور میں بہت سی غیر اسلامی دفعات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ کسی کو پھانسی کی سزا ہوئی ہے اور اس کو تمام کورٹس نے برقرار رکھا ہے' اس کے بعد بھی صدر صاحب کو اختیار ہے کہ چاہے تو اسے معاف کر دیں ۔ اسلام میں یہ اختیار کسی کو نہیں دیا گیا۔ قاتل کو صرف مقتول کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں' کوئی صدر ایسا نہیں کر سکتا۔ جب اس پر پٹیشن دائر کی گئی تو اُس وقت کے چیف جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب' جو بہت بڑے مسلم لیگی ہیں' نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ وہ بھی دستور کی ایک دفعہ ہے اور یہ بھی دستور کی ایک دفعہ ہے' لہٰذا قراردادِ مقاصد اس کو غیر مؤثر نہیں کر سکتی۔ پھر ہمارے دستور میں یہ شق بھی موجود ہے:

"No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah"

''قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی۔''

لیکن اس کے لیے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی قائم کر دی گئی ہے جو اس کے بارے میں رپورٹیں دیتی رہے گی۔ آگے ان رپورٹوں کا کیا بنے گا اس کا کچھ ذکر نہیں۔ ان رپورٹوں کا

کیا حشر ہوگا کچھ پتا نہیں۔ اگر یہی طے کر دیا جاتا کہ دو یا تین مہینے کے اندر اندر رپورٹ پارلیمنٹ میں پہنچ جانی چاہیے تو بھی اس ضمن میں کچھ پیش رفت ہوتی' لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی پر اربوں روپیہ خرچ ہوا ہے۔ علماء کرام بڑی بڑی تنخواہیں لے رہے ہیں اور انہیں فائیو سٹار ہوٹلز کے اندر ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل میں تمام فرقوں کے علماء دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث اور شیعہ سب شامل تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن ساری رپورٹیں وفاقی حکومت کی الماریوں کے اندر جا کر جمع ہو گئیں اور آج تک کوئی ایک رپورٹ بھی دستور کا حصہ بننا تو کجا پارلیمنٹ میں ہی نہیں آئی۔ یہ ہیں چور دروازے!

آج سے چند سال پہلے جب نواز شریف صاحب کی حکومت فیصلہ کن اکثریت سے قائم ہوئی تھی' ان کے پاس دو تہائی سے زیادہ اکثریت تھی' مرکز میں وہ وزیر اعظم تھے اور پنجاب میں وزیر اعلیٰ شہباز صاحب تھے' یہ حضرات مجھ سے ملنے قرآن اکیڈمی آئے تھے۔ اس ملاقات کا پس منظر یہ تھا کہ ان کے والد میاں محمد شریف صاحب حرم میں مجھے ملے تھے۔ مجھے وہیل چیئر پر دیکھ کر وہ میرے پاس آئے اور حال احوال پوچھا۔ پھر کہنے لگے کہ میں آپ کو لاہور میں ملوں گا۔ جب ان کے دو بیٹوں کی حکومت بنی تو مجھے اچانک خیال آیا کہ میں میاں شریف صاحب کو خط لکھوں کہ آپ کے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ فیصلہ کن اقتدار دے دیا ہے' اب ان کو چاہیے کہ اس ملک کے اندر اسلام کے نفاذ کی طرف قدم اٹھائیں۔ میں نے اپنے خط میں الفاظ عجیب سے لکھ دیے: آپ نے کہا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے لیکن آپ تو آئے نہیں' اور میں اس لیے نہیں آیا کہ میرے نزدیک دین کے خادموں کا دولت مندوں کے دروازوں پر حاضری دینا مناسب نہیں۔ اگلے ہی روز میاں محمد شریف' اپنے تینوں بیٹوں میاں نواز شریف' میاں شہباز شریف اور میاں عباس شریف کے ہمراہ' قرآن اکیڈمی چلے آئے۔ میں نے ان کو دستور کے بارے میں بتایا کہ اس کے اندر جو چور دروازے ہیں' انہیں بند کر دیجیے' ملکی معیشت سے سود ختم کیجیے۔ انہوں نے اس کے بارے میں وعدے کیے' لیکن وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا! یہ حضرات دو دفعہ میرے پاس آئے۔

میری کوئی حیثیت نہیں‘ نہ میری سیاسی حیثیت ہے‘ نہ مذہبی حیثیت ہے‘ اس لیے کہ مذہبی اعتبار سے میں کسی فرقے کا آدمی نہیں ہوں کہ مجھے فرقہ وارانہ حمایت حاصل ہو۔ پھر میں اپنا وفد لے کر گیا اور پرائم منسٹر ہاؤس میں ان سے ملا۔ میں نے دستور کی ترمیم پیش کی کہ یہ ہیں چور دروازے‘ انہیں بند کر دیجیے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے! میرے سامنے انہوں نے راجہ ظفر الحق صاحب سے کہا کہ راجہ صاحب‘ دستوری ترمیم کا بل تیار کیجیے۔ ہوا پھر بھی کچھ نہیں۔ بہرحال اس وقت تک بھی پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے کہ اس میں پورا اسلام ہے بھی اور نہیں بھی۔ ع ’’ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے!‘‘

وعدہ خلافی کی ایک اور سزا: اندرونی خلفشار اور بیرونی یلغار

اللہ تعالیٰ سے کی گئی وعدہ خلافی کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نفاق باہمی کا بھی شکار ہو گئے۔ اب قوم‘ قوم نہیں رہی‘ قومیتوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اب ہمارے ہاں مرکز گریز قوتیں (centrifugal forces) بہت مضبوط ہیں۔ سرحد میں اسفند یار ولی کی حکومت ہے جو ولی خان کا بیٹا ہے اور ولی خان وہ شخص ہے جو کہتا تھا کہ پاکستان انگریز کی سازش سے بنا ہے‘ اسے انگریز نے بنایا ہے‘ مسلم لیگ نے نہیں بنایا ---- میرے نزدیک بھی مسلم لیگ نے نہیں بنایا‘ بلکہ اللہ نے بنایا ہے ---- آج کل اخبارات کے اندر بڑی بحث چل رہی ہے کہ قائداعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو مان لیا تھا۔ میرے نزدیک یہ ان کی بہت بڑی سیاسی دانشمندی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہ پورے عالمی حالات پر تھی۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا کہ ’’اسرائیل مغرب کا حرامی بچہ ہے‘‘ یعنی یہ برطانیہ اور امریکہ کی ناجائز اولاد ہے --- انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اب برطانیہ یہاں سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ وہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اتنے دور دراز علاقوں پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس نے مئی ۱۹۴۸ء کی تاریخ اس علاقہ کو خالی کرنے کے لیے مقرر کی تھی‘ جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا ہے۔ اب اگر قائداعظم کیبنٹ مشن پلان نہ مانتے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ انگریز یک طرفہ طور پر ہندوستان کا اقتدار کانگریس کے سپرد کر کے یہاں سے چلا جاتا۔ اب اگر ایک دفعہ پورے ہندوستان پر

کانگریس کی حکومت بن جاتی تو پھر کون پاکستان بننے دیتا؟ ہندوؤں نے کشمیر کا ایک انچ ہمیں نہیں دیا تو پورا پاکستان کیونکر دے دیتے؟ اس لیے قائداعظم نے اس کو منظور کر لیا کہ اس منصوبہ کے اندر ایک امکان تو ہے کہ دس سال کے بعد یہ دونوں زون علیحدہ ہو جائیں گے۔ وہ تو اگر نہرو خاموش رہتا تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آتا۔ نہرو سے پریس کانفرنس میں پوچھا گیا: کیا آپ اسے علیحدہ ہونے کی اجازت دے دیں گے؟ کہنے لگا: ایک دفعہ بن جانے دو پھر کون کسی کو علیحدہ ہونے دیتا ہے۔ بس اسی پر قائداعظم نے ریورس گیئر لگایا کہ اگر یہ نیتیں ہیں تو پھر ہم نہیں مانتے۔ اب ظاہر بات ہے کہ کوئی الزام ان کو نہیں دیا جا سکتا تھا‘ الزام سارے کا سارا نہرو کے اوپر تھا۔ مولانا آزاد نے اپنی کتاب ’’India wins Freedom‘‘ میں اپنے پورے سیاسی کیریئر کی صرف ایک غلطی تسلیم کی ہے اور وہ یہ کہ اُس وقت بھی ان پر دباؤ تھا کہ وہ کانگریس کے صدر رہیں لیکن انہوں نے نہیں مانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قائداعظم نے انہیں ’’شو بوائے‘‘ کہہ کر نہایت شرمندہ کر دیا تھا اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کانگریس کے ساتھ تو ایک مسلمان بھی نہیں‘ تو میرا یہاں صدر ہونا محض دکھاوے کے لیے ہے۔ چنانچہ انہوں نے کانگریس کا صدر رہنا قبول نہیں کیا اور ان کے انکار پر نہرو صدر بن گیا۔ مولانا آزاد نے تسلیم کیا کہ اگر نہرو کانگریس کا صدر نہ ہوتا تو اُس کے اِس جواب کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ جس پر قائداعظم نے فوراً ایکشن لیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گاڑی کا ریورس گیئر لگایا اور تب پاکستان وجود میں آیا۔ پھر اس حوالہ سے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو وجود میں آیا۔ وہ شب جس میں قرآن نازل ہوا ہے‘ اسی میں پاکستان نازل ہوا ہے‘ جمعۃ المبارک کی شب کو۔ بہرحال اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں ایک قوم نہیں ہے بلکہ نفاق باہمی ہے۔

بیرونی یلغار: اب اس سب کا ایک حاصل داخلی ضعف ہے اور اس کا دوسرا نتیجہ بیرونی یلغار ہے‘ کیونکہ اگر آپ اندر سے کمزور ہو جائیں گے‘ آپ کی قوت مدافعت کم ہو گی‘ تو ہر طرح کے جراثیم آپ پر حملہ آور ہوں گے‘ آپ کو بیمار کریں گے‘ اور اگر آپ میں قوت مدافعت ہو گی تو آپ جراثیم کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے دیں گے۔ جب آپ اندر سے کمزور ہو

گئے‘ اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئے‘ قوم نہیں رہے بلکہ قومیتیں بن گئے تو پھر خارج سے بھی ہم پر حملے شروع ہو گئے۔ پہلا حملہ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ اندرونی خلفشار ہم نے پیدا کیا تھا‘ بدامنی ہم نے کی تھی‘ مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن ہم نے کیا تھا‘ انتخابات کے نتائج کو ماننے سے انکار ہم نے کیا تھا۔ بدمعاش یحییٰ خان جو اس ملک کا قاتل ہے‘ اس کے کرتوتوں کا بھارت نے فائدہ اٹھایا اور وہ کیوں نہ اٹھاتا؟ بڑا پیارا شعر ہے فارسی کا:

نیش عقرب نہ از پئے کین است
اقتضائے طبیعتش این است

یہ جو بچھو ڈنگ مارتا ہے یہ تمہاری دشمنی کی وجہ سے نہیں مارتا‘ اسے تم سے کوئی کینہ نہیں ہے‘ یہ تو اس کی طبیعت کا تقاضا ہے‘ اس نے تو اپنی سرشت کے تقاضے کے مطابق ڈنگ مارنا ہی مارنا ہے۔ تو بھارت کی قومی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان ان کے سینے کا ناسور ہے‘ ان کی بھارت ماتا کے ٹکڑے ہوئے ہیں‘ بندے ماترم ان کا تو ترانہ ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ان کے انگریز عسکری تجزیہ کار نے کہا تھا:

This is the chance of the century, grab the chance!

یعنی یہ تو اس صدی کا بہترین موقع ہے‘ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور فوراً مشرقی پاکستان کے اندر داخل ہو جاؤ! اور آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان دولخت ہو گیا تھا‘ بدترین شکست کا ٹیکہ آج تک ہماری پیشانی پر ہے۔ ہمارے ترانوے ہزار افراد ہندو کے قیدی بنے‘ جن میں غالباً ۵۳ ہزار فوجیوں کی تعداد تھی‘ باقی چالیس ہزار سویلین تھے۔ جن ہندوؤں پر ہم نے تقریباً ایک ہزار برس حکومت کی تھی‘ وہ ہماری فوج کو بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرکوں میں لاد کر لے گئے‘ جیسا کہ ڈیرہ غازی خان سے لاہور میں ذبح ہونے کے لیے ٹرکوں میں لاد کر بھیڑ بکریاں لائی جاتی ہیں۔ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا ایک کوڑا تھا‘ لیکن میرے نزدیک یہ بعینہٖ سورۃ السجدۃ کی آیت والا معاملہ ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝٢١﴾

’’اور ہم انہیں چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے بڑے عذاب سے پہلے‘ شاید یہ لوٹ آئیں (ہوش میں آجائیں‘ جاگ جائیں)۔‘‘

لیکن ہم ان عذابوں کے بعد بھی ہوش میں نہیں آئے۔ ہمارے وہی لیل ونہار‘ وہی صبح وشام‘ وہی سارا جھوٹ‘ مکروفریب‘ وہی لوٹ مار‘ وہی رشوت‘ وہی کمیشن‘ وہی سب کچھ‘ جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں۔

اب حالات یہ ہیں کہ یہ معاملہ دوطرفہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف ہندوستان کو نظر آ رہا ہے کہ اب پھر پاکستان میں خلفشار ہے‘ اِدھر شمال میں ولی خان کا بیٹا حکومت میں ہے‘ جس کے دادا خان عبدالغفار خان نے پاکستان میں دفن ہونا بھی قبول نہیں کیا۔ اُدھر جنوب میں الطاف حسین کی حکومت ہے جو دلی میں کہہ کر آیا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم میں بہت بڑی غلطی تھی۔ بلکہ میں نے ایک ٹی وی مکالمے میں ان کے ایک قریبی ساتھی اور ایم کیو ایم کے لیڈر کا بیان سنا‘ وہ کہہ رہے تھے کہ بلوچستان میں علیحدگی پسند جو کچھ کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ ان حالات میں انڈیا پھر سے اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہا ہے‘ کیونکہ اس وقت اس کو سب سے بڑی پشت پناہی مغرب کی حاصل ہے۔

صیہونیت اور Neo-cons کا پانچ نکاتی ایجنڈا

یہاں یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ مغرب میں ایک اقلیت (minority) ہے یہودیوں کی جن کے پنجے میں اس وقت عیسائی ہیں‘ خاص طور پر عیسائیت کا پروٹسٹنٹ فرقہ ان کے شکنجے میں ہے۔ آپ نے ایک لفظ سنا ہوگا WASP۔ عام معنوں میں WASP کہتے ہیں ’بھڑ‘ کو‘ جب وہ کاٹ لیتی ہے تو جسم سوج جاتا ہے‘ لیکن WASP اصل میں مخفف ہے White Anglo Saxon Protestant کا۔ یہ آلہ کار ہیں یہودیوں کے اور یہ Christian Zionists ہیں‘ جبکہ ایک یہودی Zionist ہیں۔ ان کے پیش نظر ایک پانچ نکاتی ایجنڈا ہے جس کی تکمیل میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں:

(i) آرمیگاڈان (بہت بڑی جنگ): بائبل کا آخری باب ’’مکاشفاتِ یوحنا‘‘ ہے‘ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری ’’یوحنا‘‘ کی پیشین گوئیاں ہیں۔ ان میں سے ایک پیشین

گوئی یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ سے پہلے ایک بہت بڑی جنگ ہوگی۔اُس نے جگہ کی نشاندہی بھی کی ہے کہ یہ جنگ وہاں ہوگی جہاں لبنان' فلسطین اور شام ملتے ہیں۔اسی مقام پر ایک وادی افیق ہے جو مسقط سے ''لد'' (Lydda) جاتی ہے اور یہ اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کو اَلْمَلْحَمَۃُ الْعُظْمٰی (عظیم ترین جنگ) کا نام دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ جنگ زیادہ دُور نہیں ہے۔

(ii) گریٹر اسرائیل کا قیام: حدیثِ نبویؐ کی رو سے اس آخری صلیبی جنگ میں تمام ممالک مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور عظیم تر اسرائیل قائم ہو جائے گا' جس کا نقشہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر آویزاں ہے۔یہودیوں کے اس نقشے کے مطابق پورا فلسطین' پورا شام' عراق (کم از کم دجلہ تک)' مصر کا انتہائی زرخیز دریائے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ' ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب کا بھی شمالی حصہ بشمول مدینہ' یہ سب گریٹر اسرائیل کا حصہ بنیں گے۔

(iii) مسجد اقصیٰ اور قبة الصخرة کو گرانا: صخرہ کے معنی چٹان کے ہیں۔سفر معراج میں حضور ﷺ اس چٹان سے براق پر بیٹھے تھے اور یہاں سے اپنا آسمانی سفر شروع کیا تھا۔تیرہ سو سال پہلے اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس جگہ پر گنبد بنا دیا تھا۔تصاویر میں اور ٹی وی پر جو سنہرے رنگ کا گنبد دکھایا جاتا ہے' وہی قبۃ الصخرۃ (Dome of the Rock) ہے۔ان کے ایجنڈے میں مسجد اقصیٰ اور اس قبۃ الصخرۃ کو گرانا بھی شامل ہے۔

(iv) ہیکل سلیمانی کی تعمیر: مسجد اقصیٰ اور قبة الصخرة کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ان کے اس ایجنڈے کا ناگزیر حصہ ہے۔ہیکل سلیمانی کی تاریخ یہ ہے کہ اسے ایک ہزار سال قبل مسیح تعمیر کیا گیا' ۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اسے تباہ و برباد کر دیا' تقریباً سو سال بعد اسے دوبارہ بنایا گیا' پھر ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں اسے دوبارہ گرا دیا۔اُس وقت تک رومی عیسائی نہیں بلکہ بت پرست تھے۔یہ ہیکل سلیمانی اب تک گرا پڑا ہے۔اس کی صرف ایک دیوار باقی ہے جسے دیوارِ گریہ (Wailing Wall) کہتے ہیں۔یہودی وہاں جا کر ماتم کرتے ہیں۔

(v) عالمی حکومت کا قیام: WASP کے منصوبے کے مطابق ہیکل سلیمانی (3rd Temple) کی تعمیر کے بعد یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر رکھا جائے گا۔اس کی تفصیل Philadelphia Trumpet میں شائع ہوئی تھی۔حضرت داؤد علیہ السلام کی تاج پوشی ایک پتھر پر بٹھا کر کی گئی تھی' پھر اسی پتھر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاج پوشی کی گئی اور اس کے بعد جتنے بھی یہودی بادشاہ ہوئے' ان سب کی تاج پوشی بھی اسی پتھر پر بٹھا کر کی جاتی رہی۔جب ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی کو گرایا اُس وقت یہ پتھر یروشلم میں موجود تھا۔وہ یہودیوں کے اس مقدس پتھر کو اپنے ساتھ روم لے گیا' وہاں سے یہ آئرلینڈ' سکاٹ لینڈ سے ہوتا ہوا انگلینڈ آ گیا اور انگلینڈ کی پارلیمنٹ سے ملحقہ چرچ ''ویسٹ منسٹر ایبے'' میں اسے ایک کرسی میں نصب کر دیا گیا۔اب انگلینڈ کے ہر بادشاہ کی تاج پوشی اسی مقدس پتھر والی کرسی پر بٹھا کر کی جاتی ہے۔ان کے ایجنڈے کے مطابق ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد وہ پتھر یہاں لا کر رکھا جائے گا اور ایک گلوبل حکومت قائم ہو جائے گی۔

یہاں تک تو عیسائیوں اور یہودیوں میں اتفاق ہے' اس سے آگے تھوڑا اختلاف ہے۔عیسائی کہتے ہیں ہمارے مسیحا یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام آئیں گے اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کریں گے۔جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارا میسایاح (Messiah) آئے گا اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا۔

اہل مغرب کو زیادہ خطرہ پاکستان سے ہے

یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ ۱۹۶۷ء میں عربوں اور اسرائیلیوں کی جو جنگ ہوئی تھی اس میں مصر' شام اور اردن کو شکست ہوئی اور یہودیوں نے اس فتح کا جشن پیرس میں منایا' جہاں بن گوریان نے تقریر میں کہا کہ ہمیں کسی عرب ملک سے کوئی اندیشہ نہیں ہے' اندیشہ ہے تو صرف پاکستان سے۔حالانکہ اُس وقت پاکستان ایٹمی طاقت نہیں بنا تھا اور اب تو پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے اور وہ اسے اپنے لیے اور زیادہ خطرہ سمجھتے ہیں۔

اب انہیں اندیشہ ہے کہ اگر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو گرایا گیا تو عالم اسلام میں طوفان آ جائے گا' لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ جو مسلمانوں کی حکومتیں امریکہ کی کٹھ

پتلیاں اوران کے گھڑے کی مچھلیاں ہیں' ساری کی ساری اس طوفان کی نذر ہو جائیں گی' اور پھر ہوسکتا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں آ جائیں۔ان کے نزدیک مسئلے کا حل یہ ہے کہ یا تو پاکستان کو بالکل ختم کر دیا جائے' جیسا کہ ان کے think tanks کہتے رہتے ہیں کہ ۲۰۱۲ء یا ۲۰۲۰ء میں دنیا کے نقشے پر پاکستان نہیں ہوگا اور وہ اس کے نقشے بھی چھاپ رہے ہیں کہ پاکستان کی نئی تقسیم یہ ہوگی کہ صوبہ بلوچستان کو ایرانی بلوچستان سے ملا کر ایک آزاد گریٹر بلوچستان بنا دیا جائے گا' NWFP علیحدہ ہو جائے گا 'وغیرہ وغیرہ۔ اس کا دوسرا حل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ کر اسے ہندوستان کے رحم وکرم پر ڈال دیا جائے۔ یہ منصوبہ ہے جس کے تحت ہمارے ہاں اس وقت سوات اور وزیرستان وغیرہ کے علاقوں میں امن تباہ کیا جا رہا ہے' ہر طرف تباہی پھیلائی جا رہی ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اس میں دراندازی باہر سے ہو رہی ہے' دشمن کے ایجنٹ ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آگ زیادہ سے زیادہ بھڑک جائے اور نیٹو فورسز کے ہاتھ بہانہ آ جائے کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر اس کے نیوکلیئر نظام اور ایٹمی طاقت کو یا تو ختم کر دیں یا کمزور کر دیں ---اس حوالے سے امریکہ کی سابق وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کا بیان نوٹ کریں (اب وہ تو چلی گئی ہے لیکن ان کے ہاں پالیسیاں اشخاص کے ساتھ متعلق نہیں ہوتیں' یہ تو ادارے ہوتے ہیں جو پالیسیاں بناتے ہیں اور وہ چلتی رہتی ہیں۔) اس نے کہا تھا کہ پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ ہم اور بھارت مل کر کریں گے۔ اگر ہمارے ایٹمی ہتھیاروں کا معاملہ خدانخواستہ ختم ہو جائے تو پھر ہم بھارت کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ (اعاذنا اللّٰہُ مِن ذلك!)

پس چہ باید کرد؟

اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا جواب ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے اور وہ ہے ''توبہ''! یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا اگر اللہ ہمارا ساتھ نہ دے اور کوئی ہم پر فتح حاصل نہیں کر سکتا اگر اللہ ہمارے ساتھ ہو۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ١٦٠﴾ (آل عمران)

''(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکے گا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (یعنی تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو پھر ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا اس کے بعد؟ اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔''

ہمارے ہاں کچھ لوگ چین کے اوپر بہت تکیہ کیے بیٹھے ہیں' حالانکہ چین تو یہاں کے بنیاد پرستوں کا سب سے زیادہ دشمن ہے۔ اسے ان سے بہت خطرہ ہے' کیونکہ اس کا بہت بڑا صوبہ سنکیانگ ہمارے قبائلی علاقوں کے ساتھ لگتا ہے۔ یہ صوبہ ایک زمانے میں عالم اسلام کا حصہ تھا۔ ہمارے طالب علمی کے دور میں دو علیحدہ علیحدہ ترکستان تھے: روسی ترکستان اور چینی ترکستان۔ اب روسی ترکستان کے اندر تو پانچ چھ ریاستیں آزاد ہو گئی ہیں' لیکن چینی ترکستان تو ابھی بھی چین کے زیر نگیں ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

اور یہ کاشغر چین کے صوبہ سنکیانگ میں ہے۔ لال مسجد کے معاملے میں چین نے بھی پرویز مشرف کی پیٹھ ٹھونکی تھی کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے سب ڈرتے ہیں' سب کو اندیشہ ہے کہ اگر کہیں اسلام کا نظام آ گیا تو سارے شیطانی نظام ختم ہو جائیں گے جیسے سورج کے طلوع ہونے کے بعد تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے راستہ صرف ایک ہے اور وہ توبہ کا راستہ ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت تک منافقین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ سورۃ التوبہ کے آنے کے بعد وہ دروازہ بند ہو گیا' لیکن سورۃ الاحزاب کے نزول تک بھی ان کے لیے ایک دروازہ کھلا تھا اب بھی ایمان لے آؤ' اب بھی باز آ جاؤ' اب بھی شرارتیں چھوڑ دو' اب بھی لوٹ آؤ' اب بھی اللہ کی جناب میں رجوع کرو' اللہ معاف کر دے گا۔ یہ ابھی ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں' یعنی ان کے

لیے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سورۃ النساء میں منافقین کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾﴾

''یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے' اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔''

آگے ان منافقین کے لیے ایک رعایت کا ذکر ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ ''سوائے ان کے جو (i) توبہ کر لیں اور (ii) اپنی اصلاح کر لیں اور (iii) چمٹ جائیں اللہ کے ساتھ اور (iv) اور اپنی عبادات کو خالص کر لیں اللہ کے لیے''۔ یعنی سیاسی نظام اس کے تابع کر لیں' معاشی نظام اس کے تابع کر لیں اور معاشرتی اقدار اس کے تابع کر لیں۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴾ ''تو پھر ایسے لوگ مؤمنین میں ہی شمار ہوں گے''۔ ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾﴾ ''اور پھر عنقریب اللہ تعالیٰ ان مؤمنین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا''--- ہمارے سامنے بھی دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اسی منافقت پر چلتے رہیں تو عذاب کے سزاوار بن جائیں یا پھر توبہ کر کے اجرِ عظیم کے مستحق بن جائیں جس کا وعدہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کے بعد کی آیت بڑی عجیب ہے: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ ''(اے لوگو! ذرا سوچو) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟'' اللہ (معاذ اللہ) ایذا پسند (sadist) نہیں ہے کہ تمہیں عذاب دے کر اسے لطف آئے اور مسرت و راحت ہو۔ اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا لینا ہے؟ ﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ﴾ ''اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو''۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

کرنے کا اصل کام: توبہ

میں نے آغاز میں توبہ کے مراحل اور لوازم اجمالی طور پر بیان کیے تھے۔ اب ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔ توبہ کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ انفرادی توبہ کا

ہے۔ اگر انفرادی توبہ اللہ قبول کر لے تو الحمد للہ' اور اگر اللہ کا عذاب ہم پر آنے والا ہے تو وہ آئے گا' اس کو نہ میں روک سکتا ہوں نہ آپ روک سکتے ہیں۔ یروشلم تین دفعہ اجڑا ہے' برباد ہوا ہے' کون روک سکا ہے؟ اسی طرح خانہ کعبہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں دو دفعہ منہدم ہوا ہے' ایک دفعہ یزید کے زمانے میں اُمویوں کے ہاتھوں اور اس کے بعد عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں۔ یہ تاریخی حقائق ہیں۔ بہرکیف اگر اللہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ کرے اور ہم اللہ کی خیر کو پکار سکیں' اللہ کی رحمت کو دعوت دے سکیں تو کرنے کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے دامنِ اخلاق کو رذائل سے پاک کریں۔ جھوٹ' وعدہ خلافی' غبن' دھوکہ' فریب' تہمتیں' سب سے اپنے آپ کو پاک کریں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ پوری شریعت کی پابندی اپنے اوپر لازم کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ احکامِ شریعت تو مان لیے کہ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی حد تک تو شریعت قابل قبول ہے مگر سودی کاروبار کا کیا کریں کہ اس کے بغیر تو گزارا ممکن نہیں' اس کے بغیر تو کاروبار نہیں چلتا۔ یہودیوں کے اس طرزِ عمل (کہ کچھ احکام پر عمل کر لو اور کچھ کو چھوڑ دو) کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾ (البقرۃ: ۸۵)

''تو کیا تم کتاب (یعنی شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ تو (سن لو) تم میں سے جو کوئی یہ کام کرے گا اُس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی سوائے دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے۔ اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔''☆

☆ یہ ایک بہت بڑی آفاقی سچائی (universal truth) بیان کر دی گئی ہے' جو آج اُمتِ مسلمہ پر صد فی صد منطبق ہو رہی ہے۔ آج ہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہے کہ ہم پورے دین پر چلنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر گروہ نے کوئی ایک شے اپنے لیے حلال کر لی ہے۔ ملازمت پیشہ طبقہ رشوت کو اس بنیاد پر حلال سمجھے بیٹھا ہے کہ کیا کریں' اس کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ کاروباری طبقہ کے نزدیک سود حلال ہے کہ اس کے بغیر کاروبار نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ یہ جو طوائفیں ''بازارِ حسن'' سجا کر بیٹھی ہیں وہ بھی کہتی ہیں کہ کیا کریں ◄◄

اس آیت میں جو اخلاقی سبق (moral lesson) دیا جا رہا ہے وہ ابدی ہے اور جہاں بھی شریعت کے معاملے میں آدھا تیتر آدھا بٹیر کا سا طرزِ عمل اختیار کیا جائے گا' تاویل عام کے اعتبار سے یہ سزا اُس پر منطبق ہوگی' چاہے یہ کام یہودی کریں یا مسلمان --- قرآن نے تو مکمل اطاعت کا حکم دیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃًص﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ''اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔ یہاں یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل ہو سکتا ہو اور ہم نہ کریں تو مجرم ہم خود ہیں۔ یہاں ایسا کوئی آرڈیننس نافذ نہیں ہے کہ پردہ غیر قانونی ہے اور پردہ کرنے والی خواتین کو سزا دی جائے گی۔ یہ کام مصطفیٰ کمال پاشا نے ضرور کیا تھا' شہنشاہِ ایران نے بھی کیا تھا' جبکہ ہمارے ہاں بھی پرویز مشرف آیا تھا مصطفیٰ کمال پاشا کا نام لیتا ہوا لیکن اسے یہ جرأت نہیں ہوئی اور یہاں ایسا کوئی حکم نامہ نہیں آیا۔ اب بھی اگر ہم نے پردہ چھوڑا ہے تو خود چھوڑا ہے' لہٰذا مجرم بھی ہم خود ہیں۔ اسی طرح سود کا غبار اور دخان تو میرے اور آپ کے اندر جائے گا ہی' لیکن براہِ راست تو ملوث نہ ہوں۔ بینکوں میں رقم رکھ کر اس پر سود لے کر نہ کھائیں یا سود پر رقم لے کر کاروبار تو نہ چکائیں۔

◂◂ ہمارا یہ دھندا ہے' ہم بھی محنت کرتی ہیں' مشقت کرتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی نیکی کا ایک تصور موجود ہے۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں یہ اپنا دھندا بند کر دیتی ہیں' سیاہ کپڑے پہنتی ہیں اور ماتمی جلوسوں کے ساتھ بھی نکلتی ہیں۔ ان میں سے بعض مزاروں پر دھمال بھی ڈالتی ہیں۔ ان کے ہاں اس طرح کے کام نیکی شمار ہوتے ہیں اور جسم فروشی کو یہ اپنی کاروباری مجبوری سمجھتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں ہر طبقے میں نیکی اور بدی کا ایک امتزاج ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ کلی اطاعت کا ہے' جزوی اطاعت اس کے ہاں قبول نہیں کی جاتی' بلکہ الٹا منہ پر دے ماری جاتی ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ عالمی سطح پر جس ذلت و رسوائی کا شکار ہے اس کی وجہ یہی جزوی اطاعت ہے کہ دین کے ایک حصے کو مانا جاتا ہے اور ایک حصے کو پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل کی پاداش میں آج ہم ''ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ '' کا مصداق بن گئے ہیں اور ذلت و مسکنت ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ باقی رہ گیا قیامت کا معاملہ تو وہاں شدید ترین عذاب کی وعید ہے۔ اپنے طرزِ عمل سے تو ہم اُس کے مستحق ہو گئے ہیں' تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت دستگیری فرما لے تو اُس کا اختیار ہے۔ (اقتباس از: بیان القرآن' ڈاکٹر اسرار احمد' ج ۱' ص ۱۹۰)

ان حالات میں کرنے کا تیسرا کام یہ ہے کہ اسلام کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کا عزم مصمم ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) کی شان کے ساتھ کریں۔ یہ کام چونکہ اکیلے ہو نہیں سکتا اس لیے کسی نہ کسی جماعت میں شریک ہو کر جدوجہد کریں۔ اس کے بعد چوتھا کام یہ ہے کہ اللہ سے دعا مانگی جائے۔ اگر آپ ماقبل بیان کردہ تینوں کام یا ان میں سے کوئی ایک کام نہیں کرتے تو آپ کی دعا آپ کے منہ پر دے ماری جائے گی۔ اگر دعا کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ ایسی دعائیں سنتا ہی نہیں ہے۔ ایک کڑوی بات کہہ رہا ہوں کہ جب سقوطِ ڈھاکہ ہو رہا تھا تو حرمین میں رو رو کر لوگ دعائیں مانگ رہے تھے' یہاں پر چالیس دن تک قنوت نازلہ پڑھی گئی' لیکن کیا سنی اللہ نے؟ اللہ نے دعائیں ہمارے منہ پر دے ماریں کہ تم ہو کون؟ تم نے تو میرے دین کو اپنے پاؤں تلے روندا ہوا ہے' تمہاری دوستیاں شیطانوں اور میرے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے حکم دیا تھا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَط﴾ (النساء:۱۴۴) ''اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست مت بنانا''۔ اور ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَم﴾ (المائدۃ:۵۱) ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنے دوست مت بناؤ''۔ جبکہ ہماری دوستیاں تو ان ہی کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا نتیجہ بھی بتایا ہے: ﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ﴾ (آل عمران:۲۸) ''اہل ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر' اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''۔ اب ہماری دوستیاں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں' لہٰذا ہمارا اللہ سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا قبول ہو سکتی ہے اگر تم توبہ کرلو' خالص توبہ! توبہ کی وہ چار شرائط پوری ہوں جو میں گنوا چکا ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو اپنے کیے پر پچھتاوا ہو کہ ہماری زندگی غلط کاموں میں گزر گئی ہے' ہم بھول گئے ہیں' ہم نے پاکستان کے قیام کے مقصد کو

پیش نظر نہیں رکھا‘ ہم نے زیادہ سے زیادہ کمالینا‘ زیادہ سے زیادہ کھالینا اور عیش وعشرت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا! اے اللہ ہمیں بخش دے‘ ہمیں معاف کردے‘ ہمیں مہلت عطا کردے!

پاکستان کی دینی جماعتیں اور تنظیم اسلامی

میں عام طور پر یہ بات کہا کرتا ہوں کہ جماعت کو تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ملک میں اتنی ساری جماعتیں ہیں‘ کس میں شامل ہوں؟ تو میں ایک جواب یہ دیا کرتا ہوں کہ دیکھو بھائی! جوتا تمہاری ضرورت ہے‘ تم اس کے لیے دس دکانیں پھرتے ہو یا نہیں؟ کبھی یہ نہیں کہتے کہ پتا نہیں کہاں سے اچھا ملے گا؟ لہٰذا میں تو ننگے پاؤں ہی ٹھیک ہوں! آؤ‘ دیکھو‘ تلاش کرو کہ واقعتاً اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے کون سی جماعت کام کر رہی ہے۔ یہ ضرور دیکھیں کہ اس جماعت کا کوئی سیاسی مقصد نہ ہو‘ کوئی فرقہ وارانہ معاملہ نہ ہو خالصتاً اللہ کے دین کے لیے جدوجہد ہو۔ پھر اس کے لیے منہاج‘ طریقہ کار سیرت رسول ﷺ سے اخذ کیا گیا ہو۔ تلاش کیجیے اور اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا تاکیدی وعدہ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ٦٩) ”جو ہماری راہ میں کوشش کریں تو ہم لازماً ان کو اپنے راستے دکھائیں گے“۔ یعنی ان کی رہنمائی کریں گے‘ ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ البتہ آپ پہلے سچے دل کے ساتھ عزم کریں اور یہ طے کریں کہ میری زندگی کا اوّلین مقصد اور ترجیح اللہ کے دین کو قائم کرنا ہے جبکہ میرا کیریئر‘ میرا کاروبار‘ میرے دوسرے دنیاوی مفادات‘ میرے کنبے اور خاندان کے معاملات دوسرے نمبر پر ہیں۔ اللہ کے دین کو قائم کرنا اپنی پہلی ترجیح بنالیں اور اس کا پختہ عزم کرلیں تو پھر اللہ یقیناً راستے کھول دے گا۔

اس وقت میرے سامنے ایک حدیث نبویؐ ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) [1]

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب الدلیل علی ان من خصائص الایمان ان یحب لاخیه......

”تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ جو چیز وہ اپنے لیے پسند کر رہا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے۔“

میں نے اپنے لیے تنظیم اسلامی پسند کی ہے اور میں اس کا بانی بھی ہوں‘ لیکن اب میں اس میں شامل ہوں۔ اب تو میں خود اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوں۔ میں پوری دیانت داری کے ساتھ اسی کو بہتر سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے اس وقت اور کوئی جماعت نہیں ہے‘ اگر ہوتی تو میں کبھی بھی کوئی دوسری جماعت قائم نہ کرتا‘ کیونکہ میرے نزدیک یہ فساد ہے۔ پہلے میں جماعت اسلامی میں تھا۔ جماعت اسلامی نے سیاسی ٹرن لے لیا‘ انتخابات کے چکر میں پڑ کر اپنی منزل کھوٹی کرلی۔ میں نے ماچھی گوٹھ میں اپنا اختلاف ان سے بیان کیا‘ ۲۵۰ صفحے کا مقالہ لکھ کر پیش کیا کہ خدا کے لیے لوٹو‘ غلط راستے پر آگئے ہو‘ اپنے انقلابی (revolutionary) طریقہ کار کو دوبارہ اپناؤ۔ یہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی‘ اس کو اب آپ نے اسلام پسند سیاسی عوامی جماعت بنالیا ہے۔ اس کے بعد میں ان سے علیحدہ ہوا ہوں اور پھر اپنی جماعت ”تنظیم اسلامی“ بنائی ہے۔ متذکرہ بالا حدیث کی رو سے میں آج آپ کو بھی اسی میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

اس میں شامل ہونے کے بعد یہ عہد کریں کہ اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا اور لوگوں کا رجحان ہماری جانب ہوجائے تو کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعے یہاں اسلامی انقلاب لے آئے۔ آخر ہر بڑی چیز شروع میں چھوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے تو یہ مثال بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس تک دعوت دیتے رہے اور نتیجہ صفر نکلا۔ اگر بالفرض ہمارا نتیجہ بھی صفر نکلے‘ لیکن ہم اس کام کو کرتے ہوئے جان دے دیں تو اللہ کی قسم‘ ہم کامیاب ہیں۔ اگر میرا خاتمہ اسی انداز میں ہو تو ربّ کعبہ کی قسم‘ میں کامیاب ہوں! ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی فتنہ آئے اور میں اس میں مبتلا ہوجاؤں (اللہ تعالیٰ فتنوں سے بچائے رکھے) جس طرح میں ہوں اگر اسی پر میری جان نکلے تو میں کامیاب ہوں‘ ان شاء اللہ!

کیا عجب' اللہ ہماری اجتماعی توبہ قبول کرلے!

اس اعتبار سے کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری اجتماعی توبہ کے قبول ہونے کا سامان پیدا ہوجائے۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ پاکستان معجزے سے بنا تھا اور دو مرتبہ معجزوں سے بچا بھی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں تو ہندو فوج نے ہمارے جم خانہ کلب میں شام کو شراب پینے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ لندن میں موجود میرے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کا مجھے فون آیا تھا کہ بی بی سی ٹی وی نے دکھایا ہے کہ بھارت نے لاہور فتح کرلیا ہے اور بھارتی فوج لاہور میں داخل ہوگئی ہے۔ ہوا یوں تھا کہ ہمارے ہاں ڈبل ڈیکر بسیں ہوا کرتی تھیں جبکہ انڈیا میں نہیں تھیں۔ ہندو افواج واہگہ کے قریب سے دو چار بسیں قبضے میں کرکے لے گئے تھے اور انہیں اپنی سڑکوں پر چلا کر دکھا دیا کہ یہ لاہور ہے اور لاہور اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔ اُس وقت ہماری طرف سے کوئی مزاحمت تھی ہی نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور ﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ (الانفال:۱۲) ''میں ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا'' کے مصداق اُن کے دلوں میں ایسا رُعب پڑا کہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ہمیں کوئی روک ہی نہیں رہا' شاید ہمیں گھیرے میں لیا جا رہا ہے اور وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ہماری فوج وہاں پہنچ گئی۔ یعنی اس وقت بھی اللہ نے معجزے سے بچایا۔

اسی طرح ۱۹۷۱ء میں اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت کو مغربی پاکستان پر قبضہ جمانے کے لیے زیادہ سے زیادہ چھ دن درکار تھے۔ اُس وقت ہمارا مورال پاتال میں اور ان کا مورال آسمان پر تھا۔ ہمارا سیالکوٹ سیکٹر ٹوٹ چکا تھا' راجستھان سیکٹر ٹوٹ چکا تھا' صرف ٹکا خان سلیمانکی ہیڈ ورکس پر ایک ٹاسک فورس لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہماری ایئر فورس انہوں نے مفلوج کردی تھی' اس لیے کہ روس نے ان کو آواکس قسم کے ہیلی کاپٹر دے دیے تھے کہ ہمارا جہاز جہاں ذرا بھی حرکت کرتا انہیں معلوم ہوجاتا تھا۔ ہمارے بحری جہاز کو وہ کیماڑی میں آکر مار گئے تھے۔ یہاں پھر اللہ تعالیٰ کی اسی مشیت کا ظہور ہوا' جو حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ

وَاحِدٍ یُصَرِّفُہٗ حَیْثُ یَشَاءُ)) (۱)

''تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ایک دل کی مانند اللہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔''☆

اللہ تعالیٰ نے اُس وقت نکسن کے دل کو پھیرا اور اُس نے ہاٹ لائن پر کوسیجن کو فون کیا جس نے ہاٹ لائن پر اندرا گاندھی کو فون کیا اور کہا بس' اب ختم کرو! تو اس طرح انڈیا نے یک طرفہ طور پر جنگ بندی کردی۔ اگر نکسن خاموش بیٹھا رہتا تو پاکستان ختم ہوجاتا۔ تو یاد رکھیے کہ اللہ نے پاکستان کو معجزے سے بنایا اور دو مرتبہ معجزہ سے ہی بچایا۔ اب بھی معجزہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قدرت ختم تو نہیں ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت توانا ہے' وہ جو چاہے کرے۔ ہاں اس کی رحمت کو پکارنے کا طریقہ' میں نے آپ کو تفصیل سے بتا دیا ہے۔

عذاب کے آثار نمودار ہوجانے کے بعد بھی اجتماعی توبہ کے قبول ہونے کی مثال تاریخ میں ملتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ایسا ہوچکا ہے۔ حضرت یونسؑ دجلہ اور فرات کے درمیان کسی شہر میں بھیجے گئے' قوم نے آپؑ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام مایوس ہوگئے اور انہیں یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ اب عذابِ الٰہی تو آکر رہے گا' لیکن اللہ کی طرف سے آپؑ کو وہاں سے جانے کی ابھی اجازت نہیں ہوئی تھی' آپؑ اپنی حمیت حق کے جوش میں کہ لوگ مان نہیں رہے' قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا ایک فائدہ اللہ نے قوم کو دے دیا۔ جب قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تو وہ گھروں سے نکل آئی اور انہوں نے جان لیا کہ یونس علیہ السلام جس عذاب سے ڈراتے تھے وہ اب آگیا ہے۔ وہ چلائے' چیخے' روئے کہ اے اللہ ہماری توبہ قبول کرلے! تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ لیکن یہ نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ سورۂ یونس (آیت ۹۸) میں اس کا ذکر موجود ہے: ﴿فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ط﴾ یہاں ''بعد

(۱) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب تصریف اللّٰہ تعالیٰ القلوب کیف یشاء۔

☆ اس حدیث کے آخر میں ایک دعا بھی موجود ہے: ((اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ)) ''اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔'' (مرتب)

ظھور العذاب" کے الفاظ محذوف ہیں۔ اس کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی (عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد) ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان نے اس کو فائدہ دیا ہو سوائے یونس کی قوم کے''۔ ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ ''جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان پر دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور ان کو ایک خاص مدت کے لیے مہلت دے دی''۔ عذاب کے آثار ظاہر ہونے کے بعد ایمان لانا اللہ کو قبول نہیں ہے لیکن اس میں استثناء ہے قوم یونس کا۔ ان پر عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے' لیکن انہوں نے اجتماعی توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا' عذاب کو ٹال دیا اور ان کو کچھ مہلت دے دی --- اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مہلت دے سکتا ہے' لیکن اس مہلت کا فائدہ اگر میں اور آپ نہیں اٹھاتے' اگر کمر نہیں کستے' اگر اللہ کے دین کے غلبہ و سربلندی کے لیے جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصود نہیں بناتے تو پھر ہمارے لیے افسوس اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

خلاصۂ کلام

آج میں نے امکانی حد تک توبہ کے بارے میں ترغیب و تشویق کا پہلو سامنے رکھا ہے اور مایوس نہ ہونے کی تلقین کی ہے' کیونکہ مایوسی کفر ہے۔ اس ضمن میں' میں نے یہ قرآنی آیت بھی سنائی: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ سب گناہوں کو بخشنے والا ہے''۔ اور بہت سی احادیث بھی پیش کیں کہ آپ نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں' خواہ ۹۹ یا سو قتل کیے ہوں تب بھی توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا' اور کس شان کے ساتھ قبول فرمائے گا' وہ بھی میں نے اُس متفق علیہ حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کو توبہ کی ترغیب دینی چاہیے' توبہ کی منادی کرنی چاہیے۔ پھر جو لوگ ''صحیح معانی'' میں توبہ کر لیں ان کو چاہیے کہ ایک طرف تو وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد شروع کر دیں' اس میں پیچھے نہ رہیں' اس لیے کہ یہ سلطنت خداداد پاکستان اس وقت نہایت نازک موڑ پر ہے' بمصداق

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے   اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے!

میں اپنے احساسات آپ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ جب یروشلم کی تباہی ہوئی تھی جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ چھ لاکھ انسان قتل ہوئے تھے اور چھ لاکھ کو بخت نصر ہانک کر بھیڑ بکریوں کی طرح بابل لے گیا تھا' اس سے پہلے اہل کتاب کے کتنے ہی نبی ان سے کہتے رہے تھے کہ ہوش کرو' توبہ کر لو! ایک جگہ تو یہاں تک الفاظ ہیں: ''درخت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا جا چکا ہے' اب تو ہوش میں آ جاؤ''۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں آئے۔ دنیا پرستی' نفس پرستی ان پر اس قدر مسلط ہو چکی تھی کہ اس نے انہیں توبہ نہیں کرنے دی' تو تباہی اور بربادی ان کا مقدر بن گئی۔

آج ہماری نگاہوں کے سامنے عراق کے ساتھ کیا ہو رہا ہے' حالانکہ اس کا کوئی جرم بھی نہیں ہے' جبکہ ہم تو بڑے بڑے جرم کر چکے ہیں۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ پوری دنیا کے اندر ہم ایٹمی صلاحیت کو پھیلنے نہیں دیں گے' جبکہ ان کی نگاہ میں ہمارا عمل اس کے خلاف جا رہا ہے۔ ایک خاص وقت میں افغانستان میں انہیں اپنے اصل دشمن سوویت یونین کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے ہماری ضرورت تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ہم سے منہ پھیر لیا تھا اور ہم اللہ کی رحمت سے ایٹمی طاقت بن گئے۔ پاکستان نے جب ایٹمی دھماکے کیے تو شاہ عبداللہ نے نواز شریف سے کہا تھا کہ یہ ایٹم بم صرف آپ کا نہیں ہے بلکہ یہ پوری اُمت مسلمہ کا ہے ---- یہودی اور ان کے آلہ کار عیسائی خاص طور پر WASP یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ پاکستان ترقی کرے اور اس کا ایٹم بم پوری مسلم دنیا کا ایٹم بم گنا جائے۔ تو سمجھ لیجیے کہ پاکستان کی جڑوں پر بھی تیشہ رکھا جا چکا ہے۔ میرے احساسات کی اس سے کم الفاظ میں تعبیر نہیں ہو سکتی' لیکن یہ یاد رکھیں کہ اب بھی ایک امکان موجود ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کراؤ' مل جل کر طاقت بنو' کوشش کرو کہ یہاں اسلام کا نظام آ جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ہمیں مہلت عطا فرما دے' اے اللہ' ہمیں اتنی مہلت عطا فرما دے کہ ہم تجھ سے کیا گیا عہد پورا کریں اور پاکستان میں تیرے نبی ﷺ کا لایا ہوا مکمل نظام' خلافت راشدہ کے طرز پر نافذ کر سکیں۔ آمین یا ربّ العالمین!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

۞۞۞

مرکزی **انجمن خُدّامُ القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ......اور...... سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم وحِکمت** کی

وسیع پیمانے......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ -اور- غلبہ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

تنظیمِ اسلامی کا پیغام — نظامِ خلافت کا قیام

تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: **حافظ عاکف سعید**